تاریخ
دعوت وعزیمت
مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی
جلد سوم
مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

سلسلہ مطبوعات مجلس

تاریخ دعوت و عزیمت

حصہ سوم

- حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ
- سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ
- حضرت شیخ شرف الدین یحیی منیریؒ

سوانح حیات ــ صفات و کمالات ــ تجدیدی و اصلاحی کارنامے
تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

۱۴۳۱ھ ——— ۲۰۱۰ء

نام کتاب ——— تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ سوم)

نام مصنف ——— مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

صفحات ——— ۳۳۶

تعداد ——— ایک ہزار

قیمت ———

طابع ——— کاکوری آفسیٹ پریس، لکھنؤ

ناشر ——— مجلس تحقیقات ونشریات اسلام

Post Box No. 119
Nadwatul Ulama
Lucknow.
Tel : 0522-2740539
Fax : 0522-2740806
e-mail : info@airpindia.com

فہرست مضامین

مضمون — صفحہ

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است

(اقبالؒ)

حرفِ آغاز

الحمدُ لِلّٰہِ وَسَلامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی!

الحمد للہ کہ تاریخ دعوت و عزیمت کا تیسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے دوسرے اور تیسرے حصے کے درمیان اتنا طویل وقفہ پیش آیا کہ مصنف کی طبیعت افسردہ اور شائقین مایوس سے ہوگئے، اس عرصہ میں مصنف کے کوتاہ قلم سے متعدد کتابیں نکلیں اور شائع ہوئیں، جتنی تاخیر ہوتی جا رہی تھی اُتنا ہی یہ اندیشہ بڑھ رہا تھا کہ خدانخواستہ یہ مفید سلسلہ بہت سے قدیم مصنفین کی اہم کتابوں اور خود اپنے بعض سلسلۂ تصانیف کی طرح ناتمام نہ رہ جائے، شاید ایسا ہی ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا، اگر اس میں ایک قابلِ صد احترام اور واجب التعمیل اشارہ اور تقاضا شامل نہ ہوتا۔

میرے مربّی رُوحانی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہٗ[1] نے تاریخ دعوت و عزیمت کو بار بار سُن کر اور بار بار اپنی مجالس میں پڑھوا کر، تصنیف اور مصنف کی سرپرستی و ہمت

[1] افسوس ہے کہ ان اوراق کی تحریر کے ایک سال بعد ۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ (مطابق ۱۶ اگست ۱۹۶۲ء) کو حضرت نے وفات پائی

بڑھائی، ان دو جلدوں کے بعد حضرت موصوف نے تیسری جلد کا تقاضا فرمایا اور اپنے خادم کو اُس کی تکمیل کی بار بار ہدایت فرمائی، بارہا ایسا ہوا کہ میں باہر سے حاضر خدمت ہوا، تو پہلا سوال یہ ہی فرمایا گیا کہ تیسرا حصہ مکمل کر لیا؟ بعض مرتبہ میں نے اپنی اُلجھنیں عرض کیں سُنتے ہی ارشاد ہوا کہ تیسرا حصہ تو مکمل ہی کر لیجئے! پھر جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حصہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس اللہ سرہٗ کے تذکرہ پر مشتمل ہو گا تو اپنے تعلق روحانی اور نسبتِ خاص کی بناء پر حضرت کی طرف سے اس کا اور بھی تقاضا ہوا، ادھر اس عاجز کا یہ حال ہو گیا تھا گویا اس نے قلم رکھ دیا ہے اور اس موضوع سے مناسبت جاتی رہی ہے، یہاں تک کہ جون ۱۹۶۱ئہ میں ایک بار جب حاضر خدمت ہوا تو حضرت کی مجلس مبارک میں حضرت خواجہ کے ملفوظات کا وہ مجموعہ پڑھا جا رہا تھا، جو افضل الفوائد کے نام سے امیر خسروؒ کی طرف منسوب ہو کر لاہور سے شائع ہوا ہے، اور ایک عزیز دوست تحفۃً لائے تھے، یہ مجموعہ ایسے غیر مستند مضامین اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے کہ اس کا سننا بھی تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں پر بلکہ مذاق سلیم پر سخت بار ہے، اسکی نسبت امیر خسروؒ کی طرف قطعاً مشکوک ہے۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ جنکے اور سلطان المشائخ کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ اور وہ بھی حضرت چراغؒ دہلی کا ہے، اور جو اسی خانوادۂ عالی کے چشم و چراغ اور محرم اسرار ہیں۔ صاف فرماتے ہیں کہ فوائد الفواد کے علاوہ ملفوظات کے جتنے مجموعے مشہور ہیں باد ہوائی ہیں[1] مجلس میں یہ کتاب پڑھی جا رہی تھی،

---

[1] "ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است و ملفوظہاے دیگر کہ از اں شیخ بستہ اند ہمہ باد ہوا است" (جوامع الکلم ص ۱۳۲)

حضرت کبھی کبھی اس کے مضامین پر استعجاب کا اظہار فرماتے، نیمباز گر دلنواز نگاہیں جو کبھی کبھی مصنف پر بھی پڑجاتیں اشارہ اشارہ میں کہتیں کہ اگر کوئی مستند کتاب موجود ہوتی تو ایسی غیر مستند کتابوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نگاہ دل میں تیر کی طرح پار ہوگئی اور وہیں دل نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اس کام کو انجام دینا ہے، اور یہ ارمغان پیش کرنا ہے۔

اِس کام میں توقف ہونے کا ایک سبب راہ کی دشواریاں بھی تھیں، ہندوستان کے اولیائے کرام، داعیانِ اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنّف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کے لئے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مساعی، اُن کی تعلیم و تربیت کے نتائج اُن کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ حالات سبق آموز شوق انگیز اور ہمت آفریں ہوں، اور بحیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظرِ عام پر آئیں اور اُن کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا، عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جاسکتا۔ پوری پوری کتاب خوارق و کرامات محیر العقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مؤرخ کو جس نے اپنی علمی اور تصنیفی ضرورت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایسا وسیع مطالعہ کیا ہے جس کی نظیر دورِ حاضر میں ملنی مشکل ہے، اور اعیان و مشاہیر ہند کا تذکرہ آٹھ

ضخیم جلدوں میں مرتب کیا ہے[۱]) اس صورتِ حال پر اِس طرح شکوہ سنج پایا گیا:۔

"ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اُترتی، جس کتاب کو اُٹھا کر دیکھئے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرنا و کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے اُس کو آپ خالی نہ پائیں گے، اگر مقفٰی عبارتوں اور مسجّع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن اُلجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں، ایسی حالت میں کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے ناتمام مرقّع میں پائیں ـــــ کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے، مگر اس بدمذاقی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشو و نما، تعلیم و تربیت، طریقۂ ماندو بود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملے گا، قرنا و کوس کا تو یہاں کچھ کام نہیں، مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا مصنف کا سارا زور اُن کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہو جاتا ہے اور اس کو اس حد تک پہونچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں، وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ اور خصائص انسانی سے اُن کو سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے،

---

[۱] نزہتہ الخواطر عربی ۸ جلد۔ جو پانچ ہزار شخصیتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالید ثلاثہ و عناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں[1]"

اس وقت کا اگر آپ علمی تجربہ کرنا چاہیں تو ہندوستان میں سلسلۂ چشت کے بانی بلکہ ایک طرح سے اس ملک میں سلسلۂ اسلامی کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے، اور اُن سے حضرت کی کوئی مختصر سوانح مرتب کرنے کی کوشش کیجئے۔ شاید یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کا ابتدائی عہد تھا، تصنیف و تالیف کے دور کا پورے طور پر آغاز نہیں ہوا تھا اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اسی دور میں ہم کو قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی کی طبقاتِ ناصری اور نور الدین محمد عوفی کی کتاب لباب الالباب بھی ملتی ہے، یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، لیکن اگر اس کو کسی طرح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے متعلق کیا کہا جائے گا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ) ایک عظیم روحانی پیشوا اور جلیل القدر مصلح تھے جنھوں نے اپنے زمانہ کو متاثر کیا اور ایک ایسے شہر میں زندگی گزاری جو اپنے عہد میں ہندوستان کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا، سیاسی حالات میں اعتدال و استقرار بھی پیدا ہو چکا تھا لیکن اس عظیم الشان شخصیت کی سوانح نگاری اور اس کے کارناموں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے مواد کی بے حد کمی ہے، مگر خوارق و تصرفات اور کشف و کرامات کے واقعات کی کوئی کمی نہیں۔

اس لحاظ سے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور حضرت مخدوم الملک

---

[1] یاد ایام (تاریخ گجرات) ص۵۸ و ص۵۹ از مولانا حکیم سید عبد الحیؒ مصنف نزہۃ الخواطر، و گل رعنا، ۱۳۴۲ھ، ۱۹۲۴ء

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری جو آٹھویں صدی کی دو نامور شخصیتیں اور عظیم الشان رُوحانی پیشوا اور مصلح ہیں، خاص امتیاز و انفرادیت رکھتے ہیں کئی صدیوں تک کسی شیخ طریقت اور کسی دینی شخصیت کے حالات اتنی روشنی میں نہیں ہیں جتنے ان دونوں بزرگوں کے۔ یہ مواد اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ان حضرات کے ملفوظات اور مکتوبات سے ماخوذ ہے، یا معاصر تاریخوں اور اُن کے خدام و مریدین کی کتابوں سے، اس لحاظ سے مورخ کو یہاں کم سے کم دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب و تحقیق کا کام یہاں بھی ضروری ہے کہ واقعات و سنین میں سخت انتشار و تضاد نظر آتا ہے۔

لیکن ان دونوں شخصیتوں کے انتخاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اُن سے متعلق تاریخی مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، یہ بات اور بھی بہت سی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ہندوستان میں (جو ساتویں صدی کے بعد سے عالم اسلام کا مرکز اعصاب اور احیاء و تجدید کی تحریکوں کا منبع ہے) ان دونوں حضرات نے رُوحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی، اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

حالات و تعلیمات کے انتخاب میں مصنّف نے ہمیشہ اُن اجزاء و مضامین کو اہمیت دی ہے جو اس نسل کے لئے مفید، سبق آموز، قابلِ تقلید، عام فہم اور دلنشیں ہوں، اور جن سے غلط فہمی اور غلط روی کا کم سے کم اندیشہ ہو، وہ خود بھی فلسفۂ الٰہیات اور فلسفۂ اخلاق سے کم مناسبت رکھتا ہے اور اپنے قارئین کو بھی اس امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا، اس کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبت، درد و سوز، جذبۂ اتباعِ سنّت، عزیمت، علوِ ہمت، ذوقِ دعوت و تبلیغ، اصلاحِ اعمال و اخلاق، اور صحیح علوم و دینی حکم و معارف ان بزرگوں کا

اصل جوہر اور اُن کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ میں اپنے مسلک کی معذرت اور وضاحت کرتے ہوئے ایک شعر لکھا تھا جو صورتِ حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اسی کا اعادہ یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ؎

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

شاید مصنف کی دوسری ذمہ داریاں اور نہ ختم ہونے والے مشاغل اتنی جلدی کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دیتے اور اس میں مزید تاخیر ہوتی، مگر اپنے وطن (رائے بریلی) کی سئی ندی کے سیلاب نے ایک گاؤں (میدان پور) میں محصور کرکے اس کا سامان فراہم کر دیا کہ جو کام مہینوں میں ہوتا وہ خدا کی مدد سے چند ہفتوں میں ہو گیا۔ وللہ جنود السمٰوات والارض۔

مصنف کا اخلاقی فرض اور احسان شناسی ہے کہ وہ اپنے محسنین و معاونین کا شکریہ ادا کرے۔ قدیم ماخذ میں مصنف سب سے زیادہ سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد اور فوائد الفواد کے مصنف امیر حسن علاء سجزی کا ممنونِ احسان ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی سوانح حیات و تعلیمات کا سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد فراہم کیا۔ حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے حالات میں سیرۃ الشرف سے بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی اور اس سے قدیم تر ماخذ کا پتہ چلا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیفات اور مضامین ہمیشہ کی طرح بڑے مفید اور مددگار ثابت ہوئے، کاش انکو دونوں حضرات کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے کا موقع ملتا، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس موضوع سے فطری مناسبت اور ذوق اور تاریخ ہندوستان کا وسیع علم عطا فرمایا تھا۔ والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی بیش قیمت تصنیف نزہۃ الخواطر نے حسب معمول تاریخ و تذکرہ

کے ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کا کام دیا، اور مصنف نے اس سے اس طرح مدد لی اور بار بار رجوع کیا جیسے کوئی طالب علم لغت اور ڈکشنری سے بار بار مدد لیتا ہے، اس موضوع پر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اُن کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور ان کا انتخاب و مذاق کتنا پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

اپنے معاونین میں ناچیز مصنف جناب مولوی سید نجم الہدیٰ صاحب ندوی دسنوی اور عزیز گرامی مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی کا ممنون ہے جنھوں نے حضرت مخدوم الملکؒ کی سوانح حیات اور تصنیفات میں سے بعض نادر چیزیں فراہم کیں۔ عزیزی مولوی شاہ شبیر عطا ندوی سلمہٗ (جن کو تاریخی و علمی ذوق اپنے نامور والد سے ورثہ میں ملا ہے) سے بھی بعض ضروری معلومات کے حصول میں مدد ملی۔ عزیز سعید مولوی سید مشرف علی ندوی بھی مصنف کے شکریہ کے بڑے مستحق ہیں مصنف نے کتاب کا بڑا حصہ املا کیا اور آں عزیز نے بڑی ہمت اور محنت سے لکھا۔ مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے بھی وقتاً فوقتاً مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں اور عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرماوے اور انکے عمل کو قبول کرے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا، وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ

وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْن

ابوالحسن علی

مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ

لکھنؤ

۱۱ر صفر ۱۳۸۲ھ
۱۴ر جولائی ۱۹۶۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اسکے اکابر شیوخ

عالمِ اسلام کا نیا رُوحانی و فکری مرکز چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اس صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہو رہا تھا جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالامال تھا اور جس کے لئے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم وحشی تاتاریوں نے عالمِ اسلام پر مور و ملخ کی طرح یورش کی، ملک کے ملک اُن کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم و تہذیب کے علمبردار اور مدارس و خانقاہوں سے یکسر گلزار ہو رہے تھے بے چراغ ہو گئے، شہروں کا امن و سکون، زندگی کا نظم و نسق اور شرفاء کی عزّت و ناموس خاک میں مل گئے، بخارا، سمرقند، رَے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکزِ خلافت دارالسلام بغداد اس فتنۂ جہاں سوز

کی لپیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر رہ گیا، اس بلائے ناگہانی سے عالمِ اسلام کی چولیں ہل گئیں، اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری و علمی اضمحلال کے سیاہ بادل چھا گئے، اس وقت اس پورے عالمِ اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا مُلک تھا جو اس فتنۂ عالم آشوب سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم، قوی اور پُرجوش ترکی النسل خاندانوں کی حکومت تھی، جو اُن تاتاریوں اور مغلوں سے بخوبی پنجہ آزمائی کر سکتے تھے اور اپنی ایمانی قوت اور نئے اسلامی جوش کی بناء پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف اُن کے حریف بلکہ اُن سے فائق تھے، تاتاری اور مغل ہندوستان پر بار بار حملے کرتے رہے اور پسپا ہوتے رہے، صرف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا۔ پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، چوتھے اور پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جوہر مردانگی دکھائے اور مغلوں کو اس طرح شکستِ فاش دی کہ۔

"دراں روز باز مغول را ہوس ہندوستان بر دلِ سرد شد، و دندانِ طمع کند گشت[1]" (اُس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی ہوس سُرد ہو گئی، اور اُن کے دندانِ حرص و آز ہمیشہ کے لئے کھٹے ہو گئے)۔

ان خصوصیات کی بناء پر عالمِ اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل و دماغ جو اپنے بدقسمت وطن میں سکون و اطمینان سے محروم ہو گئے تھے۔ ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے۔ لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان و عراق کی طرف سے بار بار

---

[1] منتخب التواریخ ص۱۸۶ و تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی ص۲۵۱ و ص۳۰۲ و ص۳۲۰ و ص۳۲۳۔

اُمنڈ تا رہا اور اُن کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد و قرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبات شیراز و یمن کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخین ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف ونجیب خاندانوں، اساتذۂ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں جو فتنۂ تاتار میں ہندوستان ہجرت کرکے آ گئے تھے اور ہنگامۂ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین گرم کئے ہوئے تھے، نیز جنھوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں، اور مُلک کی زیب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالم اسلام کا جوہر شرافت و فضیلت یہیں آ گیا تھا۔[1]

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالم اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و رُوحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکرِ اسلامی اور دعوت و عزیمت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی ہند کے معمار اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور یافت "نئی دنیا" کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہو گئے تھے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا، اور اس برصغیر (ہند) میں جا بجا (اعیانِ اسلام کے مرکز) خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں جیسے۔ ع

بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی (از ضیاء برنی) ص۱۱۱ و ص۱۱۲۔

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سر، اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصے میں تھی، اور آخری طور پر اس کی رُوحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کیلئے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور رُوحانی سلسلے قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہونچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصّہ ہے۔ شکر اللہ مساعیھم۔ لیکن ہندوستان کی رُوحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کیلئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمتِ الٰہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ۔

اِن اسرارِ الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پاسکتی، چشتیوں پر اس مُلک کا حقِ ہمسائگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس مُلک کے ہمسایہ مُلک ایران میں فروغ پارہا تھا۔ اپنے دردمند مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بناء پر بھی جو سلسلۂ چشتیہ کا سرمایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبت کا اسیر اور عشقِ الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانۂ قدیم سے محبت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلّق

غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بناء پر قدرتِ الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا، اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا، سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت موڑی

وہ خواجہ ابو محمد چشتیؒ[1] تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی۔

مولانا جامیؒ "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں :۔

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات[2]	جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف
رفتہ بود خواجہ را در واقعہ نمودند کہ	گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارۂ غیبی ہوا
بمددگاری وے باید رفت، در سن ہفتاد	کہ اس کی مدد کیلئے جائیں، وہ ستر برس
سالگی با درویشے چند متوجہ شد چوں	کی عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ ہوئے
آں جا رسید، بہ نفس مبارک خود با مشرکان	اور وہاں پہونچ کر بنفس نفیس جہاد میں
و عبدۂ اصنام جہاد کرد[3]۔	شرکت فرمائی۔

[1] خواجہ ابو محمد چشتی (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابو احمد چشتی کے فرزند و خلیفہ تھے، جو خواجہ ابو اسحٰق شامی کے خلیفۂ اعظم اور خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے شیخ و مرشد تھے، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، اور وہ حاجی شریف زندنی کے۔ حاجی شریف زندنی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ ان کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

[2] سلطان محمود نے سومنات پر حملہ ۴۱۶ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمدؒ کا سنہ وفات مذکورۂ بالا صحیح ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ غالباً مولانا جامیؒ کی مراد حملۂ ہندوستان سے ہے انھوں نے اس کو حملۂ سومنات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان سے باہر سب سے زیادہ اسی کارنامہ کی شہرت ہوئی۔ سومنات پر حملہ کرنے سے پہلے ہندوستان پر محمود کے ۱۰ حملے ہو چکے تھے ان میں سے کسی حملے میں (غالب یہ ہے کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمدؒ ساتھ رہے ہوں گے۔

[3] نفحات الانس ص ۲۲۳

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کیلئے مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور مستحکم اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزیؒ [۱] کیلئے مقدر ہو چکا تھا۔

---

[۱] خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل وطنی نسبت سجزی ہے، جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے "سنجری" بن گیا۔ قدیم مسودات و اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں سجزی ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔ سجزی نسبت سجستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اس کو خراسان کا ایک حصّہ مانتے ہیں، موجودہ زمانے میں اس کا اکثر حصّہ ایران میں شامل ہے، اور باقی افغانستان میں۔

اس علاقہ کا پایۂ تخت زرنج تھا، جس کے کھنڈر اب زاہدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں سجستان کے حدود غزنین تک تھے۔ (احسن التقاسیم)

بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سجز، سجستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے، جس کی طرف نسبت سجزی آتی ہے۔ کبھی کبھی پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

جغرافیہ خلافت مشرقی کے مصنف جی بی اسٹرینج نے ۲۰ صفحوں میں سجستان کا جغرافیہ بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے اور جھیل زرہ کے گرد اور اس کے مشرق میں واقع ہے۔ دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔

فارسی میں سیستان کو نیمروز (یا جنوبی ملک) بھی کہتے ہیں، اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے ص۳۳۵ و ۳۳۶ ؏

قدیم ترمورخین (جن میں طبقات ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی بھی شامل ہیں
جو حضرت خواجہ کے کمسن معاصر ہیں[1]) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ سلطان شہاب الدین غوری کے اُس لشکر
کے ساتھ تھے جس نے والی اجمیر رائے پتھورا (پرتھوی راج[2]) کو شکست دی، اور ہندوستان کی فتح کی تکمیل کی،

---

[1] قاضی صاحب کی ولادت ۵۸۹ھ میں ہوئی۔

[2] پرتھوی راج یا رائے پتھورا (۱۱۷۵ — ۱۱۹۲ء) سومیشور کا بیٹا تھا، جو اجمیر کے چوہان حکمران خاندان کے بانی "اَرْنوراج"
کا فرزند اور اس خاندان کے نامور فرمانروا دگرہ راجہ عرف وسیل دیو کا بھائی تھا۔ "سومیشور" کا دہلی کے تومر راجپوت حکمراں
خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر یکساں اقتدار تھا، سومیشور دہلی کے آخری تومر فرمانروا اننگ پال (اننگ پال) کا داماد تھا
اور اس رشتہ سے پرتھوی راج دہلی کے آخری فرمانروا کا نواسہ ہوتا تھا۔ اننگ پال کی کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی اُس نے پرتھوی راج کو
متبنّیٰ کیا تھا، اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پرتھوی راج کے حصّے میں آئی، اور اجمیر کی سلطنت اس نے اپنے باپ سومیشور
سے وراثت میں پائی، اِس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے
اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اُس کی دادھیالی گدّی تھی اِس لئے اغلب ہے کہ اس کا زیادہ تر قیام اجمیر میں
رہتا تھا اِس وجہ سے اجمیر اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا — پرتھوی راج اپنی ذات سے
بڑا حوصلہ مند، منچلا، فنونِ سپہ گری میں طاق اور بہادر راجپوت تھا اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات
حاصل کیں، جنھوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ اور روشن رکھا۔ قنوج کے راجہ جے چند کی بیٹی کو
"سوئمبر" سے لے آنے کی وجہ سے وہ اُن داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو اب تک شمالی ہند میں گائی
اور پڑھی جاتی ہیں۔ وہ اپنی سپہگری، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بناء پر ہندوستان کے دورِ آخر کے بہادر
راجپوتوں اور طاقتور فرمانرواؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، لیکن اس کی آخری شکست نے اسکی عظمت پر
پردہ ڈال دیا، اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔ ۱۱۹۱ء (۵۸۷ھ) میں (بقیہ ص ۲ پر)

اس فتح میں ان کی دُعاؤں، توجہات اور رُوحانیت کا بہت بڑا حصہ تھا[۱]۔

بعد کے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان (جو ۵۸۷ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے) ابتدائی سنین ہی میں اجمیر میں جو اسوقت راجپوت طاقت و حکومت اور ہندو مذہب و رُوحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا[۲]) قیام اختیار

(ص۲۵ کا بقیہ حاشیہ) جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا، پرتھوی راج نے ترائن (حال تلونڈی) کے مقام پر جو تھانیسر سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، ایک منظم فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور سلطان کو شکست فاش دی۔ اگلے سال ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں سلطان نے بڑی تیاری اور نئے عزم کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا، پرتھوی راج تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی میدان میں لایا۔ ۱۵۰ راجپوت راجگان اپنی فوجوں کیساتھ تھے پرتھوی راج نے شکست کھائی، گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا اور اس طرح راجپوتوں کی آزاد سلطنت اور ہندوستان کی قدیم فرمانروائی کا خاتمہ ہوا ——— (پروفیسر ایشوری پرشاد اور دوسرے مورخین باختصار)

[۱] طبقاتِ ناصری ص۳۳ + فرشتہ ص۵۸ + منتخب ص۵۰

[۲] اجمیر سے ۷ میل شمال پشکر، ایک مشہور مذہبی تیرتھ گاہ تھی جس کی یاترا کے لئے دُور دُور سے لوگ آتے تھے، اسکی جھیل کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس میں صرف مان سرور کی جھیل اس کی ہمسری کر سکتی ہے ——— پشکر کی جھیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ برہما نے یہاں یگ کیا، اور یہاں پر سرسوتی اپنے پانچ دھاراؤں سے پرکٹ ہوتی ہیں ——— (اجمیر ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص۱۸۱)

فرمالیا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا، اور اُس کی ترکتازیاں شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا' رائے پتھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اُس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہونچائی، حضرت خواجہؒ نے اس کی سفارش کی۔ پتھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ: "یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں"۔ حضرت خواجہؒ نے یہ سُن کر ارشاد فرمایا کہ "ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے (محمد غوری کو) دے دیا"۔ اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا۔ پتھورا نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی[1]۔

بہرحال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی اور رُوحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ اُن کی اولوالعزمی عالی ہمتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذاہب اور فاتحینِ عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص' ان کے توکل و اعتماد' ان کے زہد و قربانی اور ان کے درد و سوز نے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس سے صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کی محافظ و امین بن گئی اور اس کی فضائیں اذانوں سے اور دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں اور اس کے شہر و دیار قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالم اسلام گوش برآواز ہے۔ ع جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۱۲۱، آثر الکرام

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے :۔

مملکت ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب
ہمہ دیار کفر و کافری و بت و بت پرستی بود،
و متمردان ہند ہر یکے دعوائے انا ربکم الاعلیٰ
می کردند و خدائے را جل و علا شریک میگفتند
سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ
سرگین آں را سجدہ می کردند و ظلمت کفر
قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود ۔ ع
ہمہ غافل از حکم دین و شریعت
ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ
نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر
وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقیں کہ
بحقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار
بنور اسلام روشن و منور گشت ۔ ع
از تیغ او بجائے صلیب و کلیسیا
در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی
کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی، اہلِ تمرد
"انا ربکم الاعلیٰ" کی صدا لگا رہے تھے
اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر،
درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے
کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور
مقفل تھے سب دین و شریعت کے حکم سے
غافل، خدا و پیمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے
کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کبھی کسی نے
اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتاب اہل یقین
حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا
اس ملک میں پہونچنا تھا کہ اس ملک کی
ظلمت نورِ اسلام سے مبدل ہو گئی،
ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر
نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں
سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

وہر کہ ازیں دیار مسلمان شد وتا روز قیامت	اس ملک میں جس کو دولت اسلام ملی
مسلمان خواہد شد وفرزندان ایشان تا	اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
توالد وتناسل واست مسلمان خواہند	مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی
بود وآں طائفہ را کہ بہ تیغ اسلام از	اولاد در اولاد، نسل در نسل سب ان کے
دار حرب در دار اسلام خواہند آورد	نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں قیامت
الی یوم القیٰمۃ، مثوبات آں بہ بارگاہ	تک جو بھی اضافہ ہوتا رہے گا اور دائرۂ اسلام
باجاہ شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی	وسیع ہوتا رہے گا قیامت تک اس کا
قدس اللہ سرہ العزیز بمتابعت حضرت	ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن سجزی
او واصل ومتواصل خواہند بود	کی روح کو پہونچتا رہے گا۔
انشاء اللہ العزیز[1]	

اِس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور اُن کے مخلص وعالی ہمت بانیِ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے :۔۔۔۔۔

لاشک بزرگانِ چشت عنبر سرشت را حقی	اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ سلسلۂ
است قدیم بر ولایت ہند[2]	چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے۔

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے :۔۔۔۔۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۴۷ ۔ [2] مآثر الکرام ص۸ ۔

بہ ہندوستان بہ یُمن قدوم میمنت لزومش	ہندوستان میں انکے دم قدم کی برکت سے
طریقۂ اسلام ظاہر گشت و سیاہیِ کفر و	اسلام کی اشاعت ہوئی، اور کفر کی
شرک از عرصۂ روزگار بزودلہ ـــــ	ظلمت یہاں سے کافور ہوئی ـــــ

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہو گیا، اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھو دی۔ خواجہ بزرگؒ نے دہلی میں اپنے جانشین، خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے جہاں تبلیغ و ارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولی بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کر دی۔ کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج و اثرات کا مستند و معین طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا، عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے اُن سے ایمان و احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے ـــــ ابو الفضل "آئینِ اکبری" میں لکھتا ہے :ـــــ

عزلت گزین باجمیر شد و فراواں چراغ	اجمیر میں عزلت گزیں ہوئے اور اسلام کا چراغ
برافروخت، واز دم گیرائے او گروہا گروہا	بڑی آب و تاب سے روشن کیا، انکے انفاسِ قدسیہ سے
مردم بہرہ برگرفتندلہ ـــــ	جوق در جوق انسانوں نے ایمان کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقینِ اسلام کی اشاعت اور داعیانِ اسلام و اہلِ قلوب کی

لہ سیر الاقطاب ص۱۰۱

سلہ آئینِ اکبری (سرسید اڈیشن) ص۲۷۰

تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۲۵ھ[1] میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں اُن کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دارالحکومت دہلی میں ان کا جانشین و تربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا، اور ان کا عقیدت مند و حلقہ بگوش سُلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گستری و خلق پروری میں مشغول تھا۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدین بختیارؒ قصبۂ اوش[2] (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے، ڈیڑھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے تربیت کی، پانچ سال کی عُمر میں مکتب میں داخل ہوئے، مولانا ابوحفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا، وہاں اُس خضرِ طریقت سے مُلاقات و ملازمت کا شرف حاصل ہوا جس کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہونچنا مقدر تھا اور جس کے ہاتھوں اور جس کی شرکت میں ہندوستان میں اسلام کا "چشمۂ حیواں" جاری ہونا تھا، فقیہ ابواللیث سمرقندیؒ کی تاریخی و بابرکت مسجد میں ممتاز و جلیل القدر علماء و شیوخ کی موجودگی میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دارالحکومت تھا، اور جو ایک طرف عالی ہمت سلطان

---

[1] سنہ وفات میں اختلاف ہے، عام طور پر تین سنہ لکھے گئے ہیں: ۶۱۶ھ، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ۔ صاحب سیر الاقطاب نے آفتاب ملکِ ہند سے سنہ وفات ۶۳۳ھ استخراج کیا ہے۔ صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی یہی سنہ وفات مانا ہے۔ ۱۲۔

[2] یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وہ فرغانہ کے نواحی میں ایک بڑا شہر ہے۔

بادشاہوں کی قدردانی وجوہر شناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کی بناء پر علماء وشرفاء واہلِ کمال کا ملجا و ماویٰ بن گیا تھا، اور عالمِ اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایانِ شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا، اور سلطان کی کسی پیشکش (دیہہ وجاگیر) کو قبول نہ فرمایا، اور پہلے کیلوکھری میں پھر ملک عزالدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ ودرویشانہ زندگی اختیار کی[1] سلطان برابر عقیدت کیساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہلِ شہر کا ایسا رجوعِ عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغریٰؒ کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہوگئی۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدینؒ نے جو اُن کے قدیم دوست تھے شکایت کی، حضرت خواجہؒ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:——

بابا بختیار ہم کیبار چنیں مشہور شدی کہ	بابا بختیار اتنی جلدی ایسے مشہور ہوگئے کہ
خلق از دست تو شکایت کردن گرفت	بندگانِ خدا کو تم سے شکایت پیدا ہونے لگی،
ازیں جا برخیز و در اجمیر بیا و بنشیں من	یہاں سے چلو اور اجمیر آؤ وہاں قیام اختیار
پیش تو بایستم[2]	کرو، میں تمہارے سامنے (خادمانہ) کھڑا رہوں گا۔

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہیے جو کمالِ اخلاص و ربانیت کو پہونچ چکا تھا، مردانِ راہ و واصلینِ بارگاہ ادنیٰ مخلوق کی شکایت وآزردگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکزِ اسلام میں انتشار و پراگندگی کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر یہ تنبیہ بھی فرمادی کہ اگر یہاں کے اہلِ فضل

---

[1] فرشتہ ص۲۷۶ ج۲ [2] سیرالاولیا ص۵۴

تمھاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں تو میں تو واقف ہوں اور یہ کہ یہاں خادم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں، وہاں تم مخدومانہ رہو گے میں خادمانہ ــــــ خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہیئے تھا، عرض کیا :ــــــ

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش	مخدوما! میں تو آپ کے سامنے کھڑے ہونے کا
مخدوم تو انم ایستاد فکیف بنشستیم [1]	بھی اہل نہیں بیٹھنے کی کیا مجال ؟ ۔

شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون و چرا و بلا تامل تیار ہو گیا، لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہو گیا کہ یہ مقبولیت و ہر دلعزیزی من جانب اللہ ہے اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ اُن کے مرید رشید نے ساری دلی کو اپنا عاشق و پروانہ بنا لیا ہے :ــ

شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید	خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کیساتھ اجمیر روانہ
ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور افتاد	ہوئے اس اطلاع سے شہر دہلی میں ایک شور
ھمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین	برپا ہو گیا، اہل شہر مع سلطان شمس الدین
دُنبال برآمدند وہر جا شیخ قطب الدین	شہر سے نکل کر آپ کے پیچھے ہو لئے، جہاں
قدم می گذاشت خلائق خاک آں زمین	خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا لوگ خاکِ پاک
بہ تبرک برمی داشت و نہایت اضطراب	تبرک بنا کر اُٹھا لیتے تھے، لوگ بڑے بیقرار اور
وزاری می نمودند [2]	آہ وزاری میں مصروف تھے ۔

ایک دل کو خوش کرنے کیلئے اور ایک جزئی مصلحت کی خاطر لاکھوں خدا کے بندوں کے دل کو مجروح و زخمی کرنا جائز نہ تھا، مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لیجانے کا ارادہ فسخ کیا، اور فرمایا :ــــ

---

[1] سیر الاولیاء ص۵۵ [2] ایضاً ص۵۵

بابا بختیار ہم دریں مقام باش کہ خلائق از	بابا بختیار! تم یہیں رہو، اسلئے کہ خدا کی اتنی
بیرون آمدن تو در اضطراب و خراب است	مخلوق تمہارے باہر جانے سے تباہ حال ہے
روا ندارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب	میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل دکھائے
باشند، برو ایں شہر را در پناہ تو	اور جلائے جائیں، جاؤ ہم نے اس شہر کو
گزاشتیم [۱]	تمہاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دار الحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جا رہا تھا شیخ کا شکریہ ادا کیا، اور خواجہ قطب الدینؒ شہر دہلی واپس آئے، اور خواجہ معین الدینؒ اجمیر واپس ہوئے۔

خواجہ قطب الدینؒ نے دہلی واپس آکر اور اپنے بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا۔ انھوں نے "سرکار و دربار" سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا، اور نہ صرف اس کو اپنی زندگی کا اصول بنایا، بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنا دیا، کہ فقر و استغنا کے ساتھ اور "دربار" سے دُور رہ کر اپنا کام کرنا ہے، لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب اُن کے عقیدت مند و حلقہ بگوش تھے

جملگی عالم از سرور و امرا، دعا گوئی	ساری دنیا، اعیان و اکابر دعا گوئی اور
رحمتے نہادند [۲]	نیاز مندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا [۳]۔ دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دار الحکومت بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا نیا مرکز تھا، اور جہاں عالمِ اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ سادات و شرفاء و مشائخ،

---

[۱] سیر الاولیاء ص۵۵ [۲] اخبار الاخیار ص۲۶ [۳] تاریخ فرشتہ ص۱۹۰

اہلِ سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعت طریق و تربیت قلوب و نئی ابھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامن فقر و استغنا کو ذرہ برابر آلودہ اور تر کئے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا، اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سُبک روی اور سُبک گامی کی ضرورت تھی جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحبؒ نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا۔ اُن کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ نہیں ملا، اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے[1] لیکن ان کی ذات سے ہندوستان میں نہ صرف سلسلۂ چشتیہ کی بُنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصدِ عالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کیلئے محفوظ ہو گئے۔

ابھی اُن کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبتِ الٰہی کی وہ آگ جس کو انھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیتِ خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی، اور جذبِ الٰہی کا غلبہ ہوا ؎

صدائے تیغ تو آمد بہ بزمِ زندہ دلاں
کدام سر کہ در و ذوقِ ایں سرود نماند

ایک مرتبہ شیخ علی سکزیؒ[2] کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی، قوال نے شعر پڑھا ؎

کُشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

---

[1] اگر حضرت خواجہ معین الدینؒ کا سنہ وفات ۶۲۷ھ بھی تسلیم کر لیا جائے تو خواجہ قطب الدینؒ کو انکے بعد صرف ۶ سال ملتے ہیں۔

[2] بعض تذکروں میں سجزی درج ہے۔ ۱۲

خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا جو اُن کے ایک مخلص (جو بعد میں خلفائے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے، انتقال کے تیسرے روز دہلی پہونچے، مزارِ شیخؒ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے شیخ کی وصیت کے مطابق اُن کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخؒ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیب تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد اور شیخؒ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشفتۂ قدیم معتقد سر ہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا۔ خادموں نے اندر جانے نہیں دیا، معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی۔ منتظر تھا کہ ایک روز حضرت شیخؒ باہر تشریف لائے، سرہنگا قدموں پر گر گیا، اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں! شیخؒ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے، دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں، اپنی مزید تکمیل و ترقی مطلوب تھی، آپ نے اُسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدینؒ نے تو آپ کو اس جگہ پر بٹھایا ہے آپ کہاں جاتے ہیں؟۔ فرمایا کہ: "پیرؒ نے اپنی امانت سپرد کردی ہے، شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے۔"[1]

ہانسی کا قیام اسلئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدینؒ کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہلِ ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کردیا) آپ کی شہرت ہوگئی اور خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے کھتوال کا رُخ کیا جو وطن قدیم تھا۔ کھتوال ملتان سے

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۷۲)

قریب تھا، اور اُن کی شہرت اور عظمت کا آوازہ اب دُور دُور بلند ہو رہا تھا۔ آپ نے اجودھن[1] کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ :۔ وہاں کے لوگ دیر اعتقاد اور ناآشنا ہیں اور جگہ بھی غیر معروف ہے۔ لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہوگیا، اور خلائق نے ہر طرف سے ہجوم کیا آفتاب شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اُس کی شعاعیں دُور دُور پہونچ رہی تھیں، اور طالبین خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا، آدھی رات تک دروازے کھُلے رہتے۔

ابتدائے قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عُسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ پیلو کے پھل اُبال لئے جاتے اور اُن میں کچھ نمک ڈال کر فقراء کو تقسیم کر دیئے جاتے اور خود بدولت اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔ توکّل و تجرید کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کیلئے لقمہ اُٹھایا، فرمایا :۔ اس میں کچھ بے اصولی معلوم ہوتی ہے؟ ۔ خادم نے عرض کیا کہ :۔ نمک نہ تھا، ایک دانگ کا نمک قرض لیکر ڈال دیا۔ فرمایا: تم نے بے اصولی کی، میرے لئے اس کا کھانا روا نہیں[2]۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا کسے باشد اپنا حصہ پاتا[3]۔

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ :۔ عجب قوت اور عجب طرز زندگی تھا جس کا تحمل کسی سے ہونا آسان نہیں۔ نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے، اور پرانے حق کے ساتھ رہنے والے سب سے یکساں لطف و مہربانی اور توجہ و التفات کے ساتھ پیش آتے،

---

[1] اجودھن کو اب پاک پٹن کہتے ہیں، اور وہ ضلع منٹگمری، پاکستان کا ایک قصبہ ہے۔

[2] سیر الاولیاء (ص ۹۰)۔ [3] ایضاً (ص ۶۶)۔

مولانا بدرالدین اسحٰق فرماتے ہیں کہ :- میں خادمِ خاص تھا، جو بات کہنی ہوتی مجھ سے فرماتے تھے، خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا[1]۔

ایک بار سلطان ناصر الدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوچ اور ملتان کے سفر میں ہم رکاب تھا، خواجہؒ کی زیارت کیلئے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ :- "ہجوم قابو سے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہؒ کے پیراہن کی آستین بالاخانہ سے لٹکا دی، اہلِ لشکر آتے تھے اور اُس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہوگئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ :- میرے گرد حلقہ بنالو، کوئی اِس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فرّاش حلقہ توڑ کر اندر آگیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا، پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا :- "شیخ فریدؒ! تنگ آگئے، اللہ تعالیٰ کے اِس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو۔" شیخ نے یہ سُنکر نعرہ مارا، اور اُس فرّاش کو بہت نوازا، اور اُس سے معذرت کی[2]۔"

سُلطان ناصر الدین نے خود حاضری کا قصد کیا۔ نائب السّلطنت غیاث الدین بلبن نے جو ہم رکاب تھا، عرض کیا کہ :- لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں، اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت اور ہدیہ و فتوح پیش کروں۔ چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لیکر حاضر ہوا، اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخؒ نے فرمایا :- "یہ کیا ہے؟" غیاث الدین نے کہا کہ :- "یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمانِ سلطانی۔" شیخؒ نے تبسّم فرمایا، اور کہا کہ :-

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۸۷) [2] ایضاً (ص ۷۹)

نقد تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اسی وقت درویشوں میں تقسیم کر دی۔[1]

سلطان غیاث الدین حضرتؒ سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرتؒ کی دعا اور محبت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدام کی خدمت کو اپنی سعادت تصور کرتا تھا، حضرت خواجہؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار سے ایک سفارشی رقعہ لکھا، جو سفارش و بے نیازی کا عجب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں :-

"میں اس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دینگے تو حقیقی عطا کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے، اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا آپ معذور ہوں گے۔"[2]

حضرت شیخ فریدالدینؒ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور وہ ان کے پورے مرتبہ شناس اور قدردان تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جو سلسلۂ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گذرے ہیں ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے[3] دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے، اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فریدالدینؒ شیخ بہاء الدین کو "شیخ الاسلام" کے لقب سے مخاطب کرتے تھے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۷۹ و ص۸۰ ۔۱۲ [2] اخبار الاخیار ۔ اصل رقعہ فصیح عربی میں ہے ۔۱۲

[3] شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ۵۶۶ھ کی ہے، اور شیخ کبیر کی ولادت ۵۶۹ھ کی ۔۱۲

دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگ داشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ اور شیخ کبیرؒ کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق و شوق درد و عشق اور جذب الٰہی و خدامستی ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاءالدین علی صابرؒ جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی، اور جو اجودھن کی اس دکانِ عشق کا خاص سودا تھا۔

حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیرؒ (حضرت خواجہ فریدالدینؒ) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے۔ ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ ز کونین توئی از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں، اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے، مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہان میں مقصود آپ ہی ہیں، آپ ہی کے لئے جیتا ہوں، آپ ہی کے لئے مرتا ہوں)۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے، پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۳

خشیت ورقّت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز ورقّت خیز بات سُنتے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی مؤثر واقعہ سُنتے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات دھاڑیں مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا اور دونوں چیزوں (روزہ اور حفظ قرآن) کی اپنے خلفائے خاص و مریدانِ با اختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔[1]

سماع کا بڑا ذوق تھا کسی نے کہا کہ علما کو اس میں اختلاف ہے، فرمایا :۔

سُبحان اللہ یکے سوخت وخاکستر شد — سُبحان اللہ! ایک جلا بھی اور راکھ بھی ہوگیا

دیگرے ہنوز در اختلاف است[2]۔ — دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دوَل و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے۔ ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدرالدین غزنویؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدینؒ کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے خصوصی تعلق رکھا تھا، اور اُس نے اُن کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور اُن کی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا۔ انقلابِ روزگار سے جب وہ امیر عتابِ شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی، آپ نے شیخ کبیرؒ سے دُعا کی درخواست کی۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ :۔

"جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا جس سے ہمیشہ بے چین رہے گا، آپ تو پیرانِ پاک کے معتقدین میں ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدینؒ

---

[1] ملاحظہ ہو حالات حضرت سُلطان المشائخؒ ۱۲ — [2] سیر الاولیاء ۱۲

اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دکان جائیں، اُن کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا۔[1]

ان کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوع عام اور امرا و خواص کی عقیدت کے انتقال سے پہلے پھر عسرت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ۔

"حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی پیش آئی، میں ماہِ رمضان میں موجود تھا اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا نہ کھایا، سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی[2] عطا فرمایا۔ اُس روز مولانا بدرالدین اسحٰق کے ذریعہ پیغام پہنچا کہ آج توقف کریں کل جائیں، جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا، مجھے معلوم ہوا تو میں حضرت شیخؒ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا، اجازت ہو تو اُس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے؟ حضرتؒ نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دُعائیں دیں۔"[3]

صاحب سیر الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت سے وفات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں :۔

---

[1] سیر العارفین ص۵۰ ماخوذ از بزم صوفیہ
[2] سکہ (غالباً اُس وقت کا روپیہ)
[3] سیر الاولیاء ص۹۶

"محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی، عشاء کی نماز جماعت سے
ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہو گئی، ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا
کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے۔ فرمایا دوبارہ
پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بے ہوش ہو گئے، اس مرتبہ بیہوشی
زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی ؟
عرض کیا گیا کہ دو بار پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانے
کیا ہو؟ تیسری مرتبہ پھر پڑھی، اسکے بعد واصل بحق ہوئے"[1]

تاریخ وفات ۵ محرم روز شنبہ سنہ ۶۶۴ھ[2] ہے۔ اجودھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے۔ بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہؒ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں، فرزندوں کے نام یہ ہیں: شیخ نصر الدین نصر اللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدر الدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب۔ صاحبزادیوں کے نام: بی بی مستورہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ۔

---

[1] سیر الاولیاء ص۹۵ [2] صاحب سیر الاولیاء نے متعدد مقامات پر سنہ ۶۶۹ھ کے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت خواجہؒ کی زندگی سے متعلق ہیں، بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے مجھ سے یہ فرمایا، فلاں ہدایت کی، اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سنہ وفات سنہ ۶۶۴ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور ہے مشکوک ہو جاتا ہے، اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کی وفات اسکے بعد ہوئی، بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنین درج ہیں ان میں قرین قیاس سنہ ۶۷۰ھ ہے، جو خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخزن الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔ ۱۲۰

حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمانؒ باپ کے سجادہ پر بیٹھے، اُن کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاء الدین اجودھنیؒ تقدس و اتقا میں مشہور تھے۔ محمد تغلق بھی اُن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گیا تھا[۱]۔ اللہ تعالیٰ نے رُوحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہؒ کی اولاد اور خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی، ہندوستان کے مختلف حصّوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء میں ۵ پانچ حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ شیخ بدرالدین اسحٰقؒ، شیخ نظام الدین اولیاؒ، شیخ علی احمد صابرؒ، اور شیخ عارفؒ۔

شیخ جمال الدین (احمد بن محمدؒ) خطیب ہانسوی حضرت خواجہؒ کے بڑے عزیز خلیفہ و معتمد خاص تھے، انھیں کی خاطر حضرت خواجہؒ نے ۱۲ سال ہانسی میں قیام فرمایا تھا، آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ ہانسی جا کر شیخ جمال الدین کو دکھا دینا، اگر شیخ جمال الدین صاد فرماتے تو آپ بھی اس کو قبول کرتے اگر وہ نامنظور فرماتے تو آپ بھی نامنظور فرماتے، اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا ایسا نہیں جو سکتا فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے[۲]۔

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۵۹ھ میں انتقال کیا۔ شیخ قطب الدین منور (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں۔

شیخ بدرالدین اسحٰق بن علیؒ سادات بخارا میں سے تھے حضرت خواجہ فریدالدینؒ کے خلیفہ خادم اور داماد تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اپنے شیخ کی صحبت و تعلیم کا نمونہ تھے،

۱؎ سیر الاولیاء صفحہ ۱۹۶

۲؎ نزہۃ الخواطر ماخوذ از سیر الاولیاء و اخبار الاخیار وغیرہ۔

آنکھیں ہمیشہ پُرآب رہتی تھیں، رقت کا بڑا غلبہ تھا جس سے ضعف بصارت ہوگیا تھا کسی نے کہا کہ آپ ذرا آنسو روکیں تو میں آپ کے استعمال کے لئے سرمہ بنا دوں! فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں، اُن کی عبادت وریاضت کو دیکھ کر شیخ کبیرؒ کی یاد تازہ ہوتی تھی۔ نہایت جید الاستعداد اور فاضل اجل تھے۔ مدت تک دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسۂ معزیہ میں درس دیا، تکمیل علم کیلئے بخارا تک کا سفر کیا، فارسی وعربی میں بے تکلف وآبدار شعر کہتے تھے، مضامین علمیہ کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی، صرف کے مسائل میں ایک منظوم رسالہ ہے۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے امام نماز تھے، انھیں کے صاحبزادے تھے، ۶ جمادی الاخری ۶۹۰ھ میں وفات پائی[۱]۔

شیخ عارف کو حضرت خواجہؒ نے خلافت دے کر سیوستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت خواجہؒ کو خلافت نامہ واپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ مسکین اس کارِ عظیم کا اہل نہیں، مجھے آپ کی دُعا اور عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے اور واپس نہ آئے[۲]۔

شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک وتجرید اور زہد ومجاہدہ میں انکی نظیر نہ تھی پیران کلیر میں عرصہ تک عبادت وافادہ میں مشغول رہ کر ۱۳ ربیع الاول ۶۸۹ھ یا ۶۹۰ھ میں وفات پائی، حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے[۳]۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۱۔

[۲] سیر الاولیاء ص۱۸۴ و ۱۸۵

[۳] نزہۃ الخواطر ج ۱۔ عجیب بات ہے کہ شیخ علی احمد صابر کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں خاموش ہیں سیر الاولیاء میں امیر خورد نے ان کا تذکرہ ضمناً اس طرح کیا ہے کہ (بقیہ ص۴۸ پر)

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدینؒ پہلے چشتی شیخ ہیں جن کے اثرات اُنکی زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنھوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متأثر کیا، اور حکومت سے لیکر عوام و غربا تک کو اپنے حلقۂ عقیدت و اثر میں لیا۔ اسی کے ساتھ وہ

(ص ۴۷ کا بقیہ حاشیہ) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابر پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا، امیر خورد لکھتے ہیں :-

بندہ از خدمت والد خود رحمۃ اللہ علیہ سماع دارد	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ
کہ درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ او را شیخ	ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر
علی صابر گفتندے، درویشی قدمے ثابت و نفسے	کہتے تھے، درویشی میں راسخ اور صاحب نسبت تاثیر
گیرا داشت و ساکن قصبۂ دیگری بودے و پیوند بخدمت شیخ	قصبہ دیگری کے رہنے والے تھے۔ حضرت شیخ
شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز داشت	فریدالدینؒ سے نسبت ارادت رکھتے تھے، اور
و از حضرت شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت بود۔ (ص۱۸۵)	آپنے اُن کو اجازت بیعت دے رکھی تھی۔

معاصر یا زمانہ قریب کے تذکروں میں خواہ اُن کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سرسری و مختصر ہو اُن کے سلسلہ کے مشائخ کبار کے حالات اُن کا علوِ شان، اُن کے علوم و مقامات، اہلِ بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اُسکے فیوض و برکات و آثار شاہد ہیں کہ بانیِ سلسلہ نہایت عالی مقام، عالی نسبت اور عند اللہ مقبول تھے، اس سے بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں ہوسکتی اور نہ تاریخ کی یہ پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانۂ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور زاویہ خمول میں رہیں۔

اِس سلسلہ (صابریہ چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ، عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے مثلاً حضرت مخدوم احمد عبدالحق ردولویؒ جن کی ذات بابرکات کو بعض اہلِ نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہو (بقیہ ص ۴۹ پر)

ہندوستان کے پہلے شیخ طریقت اور مرشد روحانی ہیں جن کے حالات سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت اور استناد کے ساتھ ملتے ہیں، ان کے مشائخ نے نہ کوئی تصنیف کی نہ اُن کے خلفاء نے اپنے شیوخ کے ملفوظات و حالات جمع کئے، نہ انھوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات و حالات کا کوئی مجموعہ تیار کیا،[۱] لیکن اُن کے ملفوظات و حالات جمع کرنے کا

(ص۴۸ کا بقیہ حاشیہ) حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔ ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا، اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک و فعال یہی سلسلہ ہے دار العلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمت اور مولانا تھانویؒ کی تصنیفات و مواعظ سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ مشائخ چشت میں صحیح لکھا ہے کہ :-

"گذشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا۔" (ص۲۳۴)۔

آج بھی رائے پور میں حضرت مولانا عبد القادر صاحب کی خانقاہ سلسلۂ چشتیہ کی قدیم خانقاہوں کی یکسوئی، سرگرمی، یادِ حق کی مشغولی اور درد و محبت کی گرم بازاری کی یاد تازہ کرتی ہے۔ (افسوس ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد یہ خانقاہ بھی گزشتہ خانقاہوں کی فہرست میں شامل ہوگئی، کل شیٔ ھالک الا وجھہ۔ ع

عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

[۱] حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات خیر المجالس میں ہے :- فرمایا میرے حضرت (بقیہ ص۵۰ پر)

خاص اہتمام کیا گیا، اس سلسلہ میں دو بڑے قیمتی و مستند ماخذ ہیں، ایک فوائد الفواد جو امیر حسن علا سجزی (م ۷۳۷ھ) کی تالیف ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس کو لفظاً لفظاً سُنا اور تحسین فرمائی اور حضرت خواجہؒ کے اصحاب و خدام نے اس کی صحت کو عام طور پر تسلیم کیا اور حرز جاں بنایا[1]۔ دوسرا سیر الاولیاء جو امیر خورد سید محمد مبارک علوی کرمانی (م ۷۷۰ھ) کی تصنیف ہے۔ امیر خورد نے خورد سالگی میں حضرت خواجہؒ سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے رجوع کیا، اُن کے والد نور الدین مبارک بن سید محمد کرمانی (م ۷۴۹ھ) حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے رفیق قدیم اور مخلص و بے تکلف دوستوں میں تھے، اس کتاب میں زیادہ تر ان سے روایت ہے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ سے بھی سُنی ہوئی بہت سی باتیں درج ہیں، اپنے چشم دید حالات اور سُنے ہوئے ملفوظات بھی ہیں، حضرت خواجہؒ کے حالات و سوانح اور ان کے خلفائے کبار کے حالات و کمالات کا یہ مفصل و مستند ذخیرہ ہے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے خاص طور پر حضرت خواجہؒ کے حالات، ذوق، رجحان طبع، تعلیم و تربیت کے طریقے، اصلاحی و تبلیغی کوشش، ان کے فیوض و برکات اور اثرات محفوظ ہو گئے اور تاریخ کی روشنی اور گرفت میں آگئے۔

(ص ۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

پیر و مرشد جناب سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہٗ العزیز فرماتے تھے، میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اس واسطے کہ خدمت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہیں ان کے شجرے میں کسی نے کوئی تالیف نہیں کی (سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص ۳۵)

[1] اس میں ۳ رشعبان ۷۰۷ھ سے ۹ رشعبان ۷۲۲ھ تک کی مختلف مجالس کے ملفوظات ہیں ۱۲۔

اسی شخصیت کی عظمت و تاثیر اور حالات و مآخذ کی سہولت کی وجہ سے دعوت و عزیمت کی ایک مرکزی اور عہد آفریں شخصیت کی حیثیت سے ان کی ذات کو انتخاب کیا گیا، کتاب کے آئندہ ابواب اسی اجمال کی تفصیل کیلئے ہیں۔

باب دوم[2]

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ

حالات و کمالات

نام و نسب

محمدؐ نام نظام الدین لقب و عرفِ عام، والد ماجد کا نام احمد بن علی، سادات حسینی میں سے تھے، ننہال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے، اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور رہے، وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی[1]، بدایوں (قدیم بداؤں) شرفاء و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے ساداتِ کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کرلی تھی[2]۔

---

[1] صاحب سیر الاولیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کی تعیین کی ہے۔ ۱۲

[2] بداؤں روہیل کھنڈ میں دریائے سوٹھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے، اس زمانہ میں بہت آباد (بقیہ ص۵۳ پر)

ابتدائی تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں، اس دُرِ یتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولیؒ[۱] کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک اُن سے تعلیم حاصل کی، قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ اُستاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے، میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا: بابا خاطر جمع رکھو، میں اس کی تدبیر کروں گی۔ چنانچہ روئی خرید کر

(ص۵۲ کا بقیہ حاشیہ) اور پُر رونق مقام تھا، اور دہلی کیلئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا۔ چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازے کا نام دروازۂ بداؤں تھا (نزہۃ الخواطر)۔

قلعۂ بداؤں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں۔ ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین التمش کو امیر بداؤں مقرر کیا۔ التمش نے یہاں ۱۲۲۳ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی، جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ التمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بداؤں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا بذیل بداؤں)۔

منقول از مقالاتِ دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے۔ (جلد اول ص۲۲۱، ۲۲۰)

[۱] مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزیؒ کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفاء حال کا بڑا اہتمام تھا، صبر و رضا کے ساتھ زندگی گذارتے تھے اور اوقاتِ عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و معمور رکھتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر بحوالہ فوائد الفواد)۔

اُس کو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کر کے دی[1]۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء، وصلحاء وقت کی دعوت کی، خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا، اور حاضرین مجلس نے علم نافع اور تکمیل کی دعا کی[2]۔

فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت

اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سایۂ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سُنکر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اُس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہوا، اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں یہ سُنکر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سُرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا[3]۔

شیخ کبیر[4] سے مناسبت اور قلبی کشش

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا بارہ سال کا رہا ہوں گا، یا کچھ کم زیادہ اُس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خرّاطہ کے نام سے مشہور تھا، ابوبکر قوال بھی کہلاتے تھے میرے اُستاد کے پاس آیا، وہ ملتان ہو کر آرہا تھا، اُسنے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پاس سے آرہا ہوں، اُس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے، کہ وہاں کے لوگ ایسے

---

[1] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس ص۱۳۵۔ [2] ایضاً ص۹۶۔

[3] سیر الاولیاء (ص۱۱۳)۔

[4] شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔۱۲

ذاکر، شاغل ہیں، اَوراَوراد و نوافل کا ایسا انہماک ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مامائیں اور لونڈیاں بھی چکّی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز میرے دل میں نہ جمی، اسکے بعد اُسنے بیان کیا کہ میں وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اُسنے شیخ الاسلام شیخ فریدالدینؒ کا تذکرہ کیا، یہ سُنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور اُن کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے اُن کا نام لینے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد مزے لیکر اُن کے نام کی رَٹ لگاتا۔[۱]

دہلی کا سفر

سوؔلہ سال کی عُمر میں حضرت خواجہؒ بدایوں سے دہلی آگئے[۲]

دہلی میں طالب علمی

آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا، یہ مُدّت تین چار سال کی تھی، دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے[۳] یہ سلطان ناصرالدین محمود کا عہدِ حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا، اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک[۴] ہو کر شمس الملک کے لقب سے مشہورِ روزگار ہوئے اِستاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری و مشغولیت کے ساتھ اُس زمانے کے

---

[۱] سیرالاولیاء (ص۱۰۱)۔ فوائدالفواد (ص۱۴۹)۔

[۲] یہ سیرالاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اسلئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے، اور حضرت خواجہ فریدالدینؒ سے بیعت کی، بیعت کے وقت آپ نے اپنی عمر ۲۰ سال بیان کی ہے (سیرالاولیاء ص۱۰۱) اسلئے سیرالعارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے دہلی تشریف لے گئے ۔۱۲ [۳] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (ص۱۱۲)۔۱۲

[۴] یہ صدر محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔۱۲

علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا، حضرت خواجہؒ اُن کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔

اُستاد کے محبوب

مولانا شمس الدین کو حضرتؒ سے تعلق خاص تھا، اور وہ اُن کے محبوب ترین شاگرد تھے، آپ جس حجرۂ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اُس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہؒ اور اُن کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے[1]

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کر دیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے؟ حضرت خواجہؒ نے خود یہ قصہ بیان کرتے ہوئے تبسم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر وہی قصور کروں، لیکن مجھ سے ناغہ ہو جاتا، یا دیر ہو جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے ۔ ؎

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے ٭ آئی و بما کنی نگاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحبؒ آبدیدہ ہو گئے اور سب سُننے والوں پر رقت طاری ہو گئی، اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے[2]

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت، مناسبت خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کر لیا، علمی مباحثوں اور سوال جواب میں (جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزء اور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طلاقتِ لسانی اور قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لاجواب ہو جاتے اور محفل پر

---

[1] سیر العارفین ۔ ۱۲ [2] فوائد الفواد ص۶

آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا، چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام الدین بحّاث اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے۔[۱]

حفظ مقامات اور اس کا کفارہ

اُس زمانہ کے نصاب میں مقاماتِ حریری داخلِ درس تھی، عام طور پر طلبہ اُس کے سمجھ لینے اور اُس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہؒ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اُس کے چالیسؔ مقامے حفظ کئے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی۔[۲]

حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدّث شیخ محمد بن احمد الماریکلی مشہور کمال الدین زاہد (م ۶۸۴ھ) سے پڑھی، جو مصنف مشارق الانوار علامہ حسن ابن محمد الصّغانی کے براہِ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں اُن کو بیک واسطہ صاحبِ ھدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے ان سے "مشارق الانوار" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی۔[۳]

---

[۱] سیر الاولیاء (ص۱۰۱)۔ [۲] ایضاً (ص۱۰۱)۔

[۳] سیر الاولیاء (ص۱۰۵)۔ اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہٖ منقول ہے، ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۶۳۶ھ کے حساب سے) ۴۳ سال تھی، اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۶۶۴ھ) کے تیرہؔ سال کے بعد و اس وقت کا ہے جب آپ مسندِ ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دُور دُور پہونچ چکی تھی اجازت نامہ میں آپ کے لئے "الشیخ الامام العالم الناسک السالک" اور "مقبول المشائخ الکبار منظور العلماء الاخیار الابرار" کے الفاظ ہیں، اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصولِ اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علوِ ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلب کی بےچینی اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہؒ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مشغول تھے، اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی کسلمندی اور تساہل کی روادار نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈھتا تھا، اس بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہوجاتی تھی۔ ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کیساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا، اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے، اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہوجاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا، میں کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں۔ امیر حسن علاء سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصہ ہے۔ فرمایا: "ہاں"۔

والدہ صاحبہ کا انتقال

دہلی کے قیام میں حضرت خواجہؒ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد

ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا۔ اسی حالت میں یہ شعر پڑھا۔ ؎[1]

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد ؛ شبہائے وصال را بہ زنجیر نکرد[1]

والدہ کا یقین و توکل

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں:۔ ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدمبوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی۔ فرمایا کہ:۔ "آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدمبوسی کروگے!"۔ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، میرا دل بھر آیا اور میں رونے لگا،

---

[1] فوائد الفواد (ص ۱۰۱)۔

میں نے کہا کہ :۔ مخدومہ! مجھ غریب و بیچارہ کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ ۔ فرمایا :۔ اِس کا کل جواب دوں گی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ :۔ جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو۔ اُن کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا، آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بُلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ :۔ کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا، اب میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سُنو! فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے، میں نے ہاتھ سامنے کر دیا، میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا :۔ خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جان بحق تسلیم ہوئیں۔ میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی[1]

ایک تمنائے خام

اس وقت دارالحکومت دہلی کی پوری فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے حلقے قضا وافتا کے تذکروں، ان منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ و جلال اور دولت و ثروت کے قصّوں سے معمور و گرم تھے۔ حضرت خواجہؒ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ رُوحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سِن اور نوجوان تھے، علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ و منصب کا ولولہ اور اُمنگ پیدا ہوتی تو فطرتِ انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب الدین متوکلؒ سے عرض کیا کہ دُعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدینؒ خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انھوں نے سُنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ :۔ دُعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا :۔ قاضی مت ہو، کچھ اور چیز ہو۔[2]

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۵۱)۔ [2] فوائد الفواد (ص۲۰۸)۔

اجودھن کی پہلی حاضری

حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر کے برادرِ حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے، اور کچھ عرصہ اُن کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، اُن کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیر کے ساتھ محبت کی اس چنگاری میں جو کمسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی، اشتعال و حرکت پیدا کردی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کر لیا، اور بالآخر آپ انکی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

طالب یا مطلوب؟

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔ ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ ٭ سیلابِ اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پابوسی کے اشتیاق کو جو عرصۂ دراز سے بیچین کئے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کروں لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوتِ گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہہ سکا کہ قدم بوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ میں اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا: "لکلِ داخلٍ دھشۃٌ" ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے[1]۔

مرید کی خاطر

شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالبعلم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے۔ حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا۔ کتنے متصوفہ کتنے حافظ کلام اللہ، کتنے عاشقانِ خدا زمین پر سو رہے ہیں، میں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظمِ خانقاہ

---

[1] فوائد الفواد (ص۱۳)۔

مولانا بدرالدین اسحٰق کو پہنچی، انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمھیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا۔ فرمایا کہ جاؤ چارپائی پر سوؤ[۱]

بیعت

اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادہ سے آئے تھے اُس کی تکمیل کی، اور شیخ کبیرؒ سے بیعت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر بیسؔ سال کی تھی[۲]

سلسلۂ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے، اور علم تحقیقی اور معرفت حقیقی کی تحصیل میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے۔ گویا سعدیؒ کا یہ شعر حسب حال تھا۔ ؎

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست

علمے کہ رہ بحق نماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طویل طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حساس اور رُوح بیدار پر بار تھا لیکن اس کو ایک ضرورت سمجھ کر اور اسلئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا اختیار کیا تھا، اب جبکہ یقین کا سرشتہ اور علم حقیقی کا سرچشمہ مل گیا اس سلسلۂ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا، اور زبان حال کہہ رہی تھی۔ ؎

میری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب

مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذب کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا، اور طریقت کیلئے بقدر ضرورت علم ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اس کے شیخ نے یہی ہدایت اُس کو کی تھی، پھر مولانا نظام الدین

---

[۱] سیر الاولیاء (ص۱۰۰)۔ [۲] ایضاً (ص۱۰۱)۔

سے ارشاد و تربیت کا جو عالمگیر کام لینا تھا اُس کی نازک ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی۔ یوں بھی صاحب نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کر دوں، اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؟ شیخ کبیرؒ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کرو، یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی ہے؟ یہ بھی فرمایا کہ:۔ درویش کو تھوڑا علم بھی چاہئے[1]

شیخ کبیرؒ سے درس

شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ کو بنفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ: نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی۔ چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اسکے پڑھائے، اسکے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی بھی اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی۔ مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی اور چھ پارے کامل تجوید کے ساتھ پڑھائے[2]

درس کی لذّت

حضرت خواجہؒ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذت کو یاد فرماتے رہے، فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سُنے وہ پھر کبھی سُننے میں نہ آئیں گے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرتؒ تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا[3]

خود شناسی کی تربیت

عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۰۱)۔ [2] ایضاً (ص۱۰۱)۔ [3] فوائد الفواد (ص۳۰)۔

تامل ہا، خواجہ نے (سادگی اور نوعمری میں) کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا وہ نسخہ صحیح تھا۔ شیخ نے فرمایا: "درویش را قوت تصحیح نسخۂ سقیم نیست" (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بارہا شیخ نے یہ فقرہ دہرایا، خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن باربار یہ الفاظ شیخ کی زبان سے نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحٰق نے بتلایا کہ خطاب تمہاری طرف ہے۔ حضرت خواجہ کے ہوش اُڑگئے فرماتے ہیں کہ "سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم" کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت کا ملال خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اُٹھ گیا لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گذرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید ہی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیمہ و پریشان باہر آیا، ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا، اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا، اور بہت رویا۔

شیخ کبیرؒ کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، انھوں نے شیخ کبیرؒ سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی "بآمدم سر بر قدم مبارک آں و دم" معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا:- یہ سب میں نے تمہاری تکمیل حال کیلئے کیا، پیر مشاطۂ مرید ہوتا ہے۔ اِس ارشاد کے بعد خلعت و کسوت خاص سے سرفراز فرمایا گیا۔[1]

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۷)۔ یہاں پر کوئی یہ شبہہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور مد و حض پر اتنی برافروختگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا، اسلئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملے سے معلوم ہوتا ہے، یہ سب آزردگی تکلف اور طالب رشید کی ترقی باطنی اور خود شکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص ہا اس کے لئے اپنے اجتہاد سے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے۔ حضرت کعب بن مالکؓ کے ابتلا کے واقعہ سے ... کو اس کوتاہی پر جو اُن سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزنش کی گئی اور اُن کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا (بقیہ ص ۶۴ پر)

فیصلہ کن موقع

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیر نے ان کے صرف اتنا کہنے پر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا، بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ "میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت نہ تھی، لیکن شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی، پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہونچانا تھا اس کے لئے اضطرار و اضطراب شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی، لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد نوجوان کے لئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی پر اسکے مستقبل کا انحصار تھا مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے :-----

"صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا دنیا دیکھ رہی تھی۔ اب مولانا نظام الدین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحاث اور محفل شکن ہی کے لقب کو لیکر دنیا سے واپس چلے جائیں گے، جیسے لاکھوں ہی بحاث و محفل شکن آئے اور چلے گئے یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے ورنہ سچ یہی ہے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے

چند کلیاں جو اب تک اُن کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی

(صفحہ ۶۳ کا بقیہ حاشیہ) اور کرایا گیا اُس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کیجا سکتی ہے۔"

تنگ دامانی کے علاج کے آخری فیصلہ پر وہ ڈٹ گئے۔ ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور، میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک اچھے نسخہ کا علم تھا اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پر اتنی برہمی کے کیا معنی؟ یہی شوشہ اگر سامنے آجاتا وہی لمبی لکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے، مزاج میں تندی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جا سکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان جی چاہتے تو "اسوۂ حسنہ نبویہ" کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرز عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے کے لئے آئے تھے شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن آنے سے مقصود نہ تھا، اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب ہے، اسکے بعد تنقید کا حق ان کے لئے باقی ہی کب رہا تھا"[1]

ایک رفیق کی ملامت

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا، ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے اجودھن آئے، انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا: "مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے"۔ میں نے اپنے دوست کی یہ بات سُنی اور اُن سے معذرت کردی، اسکے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ :۔ نظام! اگر تمھارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے، اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال

[1] "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" ج ۲ (ص ۹۴-۹۵)۔

میں کیوں ہو، تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟۔ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دوں گا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا۔ ؎

نہ ہمرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو ❊ ترا سلامتی بادا مرا نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پر رکھ کر اُس رفیق کے پاس لے جاؤ میں نے تعمیل ارشاد کی میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اُتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصہ سنایا، اُسنے یہ سُنکر کہا کہ تمہارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہونچا دیا ہے، مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پر رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پر رکھ کر لے جاؤں گا، غرض ہم دونوں خدمتِ بابرکت میں پہونچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کی، اور آپکے حلقۂ خدام میں داخل ہوئے۔[1]

کتنے بار حاضری ہوئی؟

حضرت خواجہ شیخ کبیرؒ کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے[2]، پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے مشرف ہوئے، تذکروں میں اسکی صراحت نہیں ہے۔

شیخ کی نوازشیں

ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ رجمادی الاولی کو نماز جمعہ[3] کے بعد طلبی ہوئی، شیخ کبیر نے اپنا لعابِ دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا، قرآن مجید کے حفظ کی وصیت

---

[1] سیر الاولیاء ص۲۳۹ و ص۲۴۰ [2] فوائد الفواد (ص۲۴۲)۔

[3] یہاں سیر الاولیاء میں سنہ تسع و ستین و ستمائۃ (۶۶۹ھ) یا تو غلط درج ہو گیا ہے اور تسع و خمسین ۵۹ مراد ہے اسلئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں ۶۶۴ھ ہے، یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات ۶۷۰ھ ہے، جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مجمع الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے، بہرحال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے ۱۲۔

فرمائی۔ فرمایا کہ خدا نے دین و دُنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ یہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا: ـــــــ

"برو ملکِ ہند گیر" نظرة منك تکفینی۔[1]

رخصت اور وصیت

فرمایا کہ دہلی جاتا تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نفلی) روزہ رکھنا نصف راہ ہے، دوسرا اعمال نماز و حج (نفلی) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا۔ ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہو گے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ واپسی میں میں نے ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا بڑا اظہار مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس ٭ کہ گوہر سپردہ بگوہر شناس[2]

ایک دُعا کی درخواست

اسی حاضری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ: خلق کے در بدر نہ پھرنا پڑے۔ درخواست قبول ہوئی اور دُعا فرمائی گئی۔[3]

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تھوڑی سی دنیا بھی مانگ لی ہے۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سُنکر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑ گئے، میرا کیا حال ہوگا۔ شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔[4]

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۲۳)۔ [2] ایضاً ص ۱۱۹ و ص ۱۱۷ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو سنہ ۶۶۹ھ بھرہ یا گیا ہے اُسکے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے ۱۲۰۔ [3] سیر الاولیاء (ص ۱۲۳)۔ [4] ایضاً (ص ۱۳۲)۔

اجودھن سے دہلی کو

خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربّی سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیرِ روحانی اور خلقِ خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیرِ بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالمِ اسلام کی سب سے مستحکم اسلامی سلطنت کے دار السلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنا عن الخلق کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے: —

"ہندگیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دار السلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوئے ہیں جہاں نیچے سے اوپر تک بلشیما زجھوٹے آلہہ پر جمائے بیٹھے ہیں، ان میں وہ بھی ہے جس کی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سے سر جدا کر دیتی ہے وہ بھی ہیں جن کی نیاز مندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہونچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے، مناصب بٹ رہے ہیں، روپے لٹائے جا رہے ہیں، گودیں بھر رہی ہیں، اور جن جن ذرائع سے یہ ساری چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سب سے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں انکی عام شہرت ہو چکی ہے، کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں، لیکن اب خالق کی صورت میں جو الٰہ ان کو مل چکا تھا، سینہ اسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی، قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی، جس کا اظہار وہ کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے: —

"ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق
در نزد یکی او ہم چو پشک شتر نہ نماید"[1]

مجلس مُبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا، اپنی انھیں نمازوں کو نگاہِ خلق میں حصولِ عزّت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں، کہ:۔

دریں میاں خواجہ ذکرہ اللہ بالخیر چشم پُر آب کرد و برلب مبارک راند بسوز اوّل شیخ الاسلامی را، پس خانقاہ را، بعد ازاں خود را۔[2]	یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو، پھر اپنی خودی کو جلا کر خاک کر دو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اُسی کے پایۂ تخت میں آپ پہونچ گئے۔[3]

تصفیۂ حقوق شیخ کبیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا، اور اہلِ حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲۰ جیتل[4] ایک شخص کے دینے ہیں، اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے، میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی

---

[1] سیرالاولیاء (ص۱۵۵)۔ [2] فوائد الفواد (ص۲۳)۔ [3] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت (ص۱۵)۔ [4] جیتل یا چیتل تانبہ کا ایک سکہ تھا۔ تنکہ (روپیہ) چونسٹھ جیتل اور ایک جیتل، کے چار فلوس یعنی دھیلے تھے۔ (تاریخ ہند، ...)

پہونچوں گا تو ان اہلِ معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا۔ جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا، میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اس کو پہونچا دیتا، معاش کی بڑی تنگی تھی کبھی پانچ جیتل ہاتھ آئے کبھی دس۔ ایک مرتبہ دس جیتل ملے میں اُس بزاز کے دروازہ پر پہونچا، اس کو آواز دی، وہ باہر آیا تو میں نے اُس سے کہا کہ تمھارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں، ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی مقدرت نہیں یہ دس جیتل لایا ہوں اس کو لے لو، دس انشاءاللہ اسکے بعد پہونچا دوں گا۔ اُس شخص نے یہ سنکر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو، اُس نے وہ دس جیتل تو لے لئے اور کہا کہ میں نے دس جیتل معاف کیئے۔

اس کے بعد میں اُس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اُس نے مجھے پہچانا نہیں، میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہونچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہیئے، اسکے بعد اُسنے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی[1]۔

دہلی کی قیام گاہیں

خواجہ صاحبؒ اہلِ دہلی بلکہ اہلِ ہند کی خدمت کے لئے جب دہلی پہونچے تو باوجود اسکے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روز نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، آپنے اتنی قیام گاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی ——

سیر الاولیاء کے مصنف میر خورد اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دست

---

[1] فوائد الفواد (ص۱۴۱)۔

اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔
سید مبارک محمد کرمانی فرماتے ہیں:۔

"جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں
نہ تھا، اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔
جب آپ بدایوں سے آئے تو سرائے میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی
کہتے ہیں اُترے، والدہ اور ہمشیرہ کو وہیں رکھا اور خود ایک قواس (کمان گر)
کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی مقیم ہوئے۔ امیر خسرو کا بھی اسی محلہ میں
مکان تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد راوت عرض کا مکان خالی ہوا، اُس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے
امیر خسرو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کیلئے
مل گیا، آپ دو سال اس مکان میں رہے۔ یہ مکان شہر پناہ کے متصل مندہ دروازہ
و مندہ پل کے نزدیک تھا اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر
آگیا تھا، مکان کے ایوان و رواق بڑے بلند اور شاندار تھے۔ اس عرصہ میں
راوت عرض کے لڑکے آگئے، سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا،
آپ کی کتابیں جن کے سوا اور کوئی سامان نہ تھا ہم سروں پر رکھ کر چھپر والی
مسجد میں (جو سراج بقال کے سامنے تھی) لے آئے۔ دوسرے روز سعد کاغذی نے
جو شیخ صدرالدین کے مریدین میں تھے یہ قصہ سُنا اور سلطان المشائخ کے پاس آکر
بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا، بالاخانہ پر ایک بہت
اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی وہاں آپ کو ٹھہرایا۔ سلطان المشائخ ایک مہینہ
وہاں ٹھہرے اسکے بعد وہاں سے بھی اُٹھے، رکابدار کی سرائے میں جو قیصر پل کے

متصل بھی بساط کے درمیان ایک مکان تھا وہاں مقیم ہوئے، ایک مدت کے بعد
وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دوکانوں کے
درمیان واقع تھا قیام اختیار کیا، اس درمیان میں شمس الدین شرابدار[1] کے لڑکے
اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کیساتھ شمس الدین
شرابدار کے مکان میں لے آئے، کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے
اس مکان میں بڑی راحت اور سکونِ خاطر میسر آیا۔"[2]

فقر و فاقہ

خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلاء تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے
سالکوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و سرچشمۂ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے،
یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی اُمنڈ کر آ رہے تھے، اور ارزانی کا یہ
عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں، اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ
آجاتا تھا لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک دانگ بھی
نہ ہوتا کہ اُس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے اُن لوگوں کو کھلاؤں جو
میری کفالت میں تھے۔ خربوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری فصل گذر جاتی اور خربوزہ چکھنا
نہ نصیب ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گذر جائے
اور میں اسی حال میں رہوں۔[3]

---

[1] بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء (ص۱۰۱)۔

[3] سیر الاولیاء (ص۱۱۳)۔

غیر کے واسطہ کے بغیر

اسی زمانہ میں جبکہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں مقیم تھے جو مندہ دروازہ کے متصل ہے کئی روز گذر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ ایک طالب العلم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے، اس طالب علم نے بعض ہمسایوں کو جو نوربات تھے اس کی اطلاع کی، وہ کھانا تیار کرکے لائے۔ کھانے کے لئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالب علم کا بھلا کرے کہ اُسنے ہمیں خبر کردی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا۔ کیا خبر کی؟۔ اُسنے کہا کہ:۔ فلاں طالب علم نے ہمیں بتلایا کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں، چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کرکے لائے۔ آپنے فرمایا۔ معاف رکھو۔ کتنے ہی ان لوگوں نے کوشش کی، آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔[1]

شیخ کبیرؒ کی وفات

آخری بار آپ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے، فرماتے ہیں کہ ۵ محرم[2] کو شیخ کبیرؒ نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت نے دہلی بھیج دیا۔ بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے، ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا، شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی، میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملے گی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرما رہے ہیں، میں کھالوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھ کر (فرض روزہ توڑنے) کا کفارہ ادا کر دوں گا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے تمہارے لئے جائز نہیں۔[3]

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ:۔ نظام الدین تو دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ:۔ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا، ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد میں ہے کہ

---

[1] جوامع الکلم (ملفوظات حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ) ص ۲۹۶

[2] سنہ ۶۶۴ھ۔ [3] فوائد الفواد (ص ۵۳)۔

یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے[1]۔

وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ، مصلّٰی اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کیلئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا[2]۔

غیاث پور کا قیام

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور و شر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک روز قتلغ خاں کے حوض پر تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا، وہاں ایک درویش یادِ خدا میں مشغول تھا، میں اُنکے پاس گیا اور اُس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟۔ انھوں نے کہا:۔ ہاں!۔ میں نے کہا:۔ اپنی مرضی سے اِس شہر میں رہتے ہیں؟۔ اُسنے کہا:۔ یہ بات تو نہیں ہے۔ اسکے بعد اُس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا، بیرونِ کمال دروازہ، اس احاطہ میں جو لبِ خندق ہے، اس دروازے کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہداء کی چار دیواری بنی ہوئی ہے وہ درویش بیٹھا ہوا ہے، اُس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اِس شہر سے چلے جاؤ، میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا لیکن موانع پیدا ہوتے رہے، آج پچیس سال ہو گئے کہ میرا ارادہ باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سُنی تو اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا کئی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں، کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی[3] چلا جاؤں، وہاں ان دنوں ایک ترک تھا

---

[1] فوائد الفواد ص۵۳ [2] سیر الاولیاء ص۱۲۳

[3] ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے، جو خسرو کا ننہال یہیں تھا اور اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔ ۱۲

کبھی دل کرتا تھا کہ بنگالہ چلا جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے چنانچہ بنگالہ چلا گیا، تین روز وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا، نہ کرایہ کا نہ بقیمت، ان تینوں دنوں روزانہ کسی بانیک کا مہمان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو "باغ حیرت" کہتے ہیں، اللہ سے مناجات کی، طبیعت متوجہ تھی، میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کروں گا، جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں، اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور" کے نام کی آئی، میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے، میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا، وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اس کے گھر گیا اور اس کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ وہی غیاث پور ہے، الغرض غیاث پور آیا، اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی، آدمی بھی کم تھے، میں آیا اور میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی، جب کیقباد[1] نے کیلوکھری[2] کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا، امراء اور اعیان سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی، جب میں نے یہ اژدحام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہئے، اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے، شہر میں انتقال ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ کل جب میں ان کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا، اپنے دل میں اس کو طے کر لیا اسی روز نماز عصر کے وقت ایک جوان آیا حسین لیکن نحیف، خدا جانے

---

[1] سلطان معز الدین کیقباد (۶۸۶ھ، ۶۸۹ھ) بغرا خاں کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا، ۳ سال حکومت کی ۱۲
[2] سر سید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں :- معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور کیلوکھری اس کا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے اور دس پانچ جھونپڑے موجود ہیں ۔۱۲

(آثار الصنادید، باب ۳، ص ۴۷)

مردانِ غیب میں سے تھا یا کون تھا، اُسنے آتے ہی مجھے خطاب کرکے یہ شعر پڑھا۔ ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی ٭ کہ انگشت نمائے جہاں خواہی شد

(جس روز خدانے تم کو چاند بنایا تھا، اُسی روز سمجھنا چاہیے تھا کہ ساری دنیا کی اُنگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اُسنے کچھ اور باتیں بھی کہیں جن کو میں نے لکھ لیا ہے، اُسکے بعد اُسنے یہ کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیئے، اور جب کوئی شخص مشہور ہو جائے تو پھر ایسا بننا چاہیئے کہ کل روزِ قیامت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اسکے بعد اُسنے کہا کہ یہ کیا ہمت و حوصلہ ہے کہ خلق خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے اور یادِ خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اُس کا مقصود یہ تھا کہ قوت و حوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یادِ خدا میں مشغول ہو۔ جب اُسنے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لا کر اُسکے سامنے رکھا، اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اُسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا، جب میں نے یہ نیت کر لی، تو اُسنے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[۱]

رجوعِ عام غیاث پور کے دوران قیام میں خلق خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا، اور فتوحات کا دروازہ کھل گیا۔

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مدت گذرنے کے بعد آپ کی ذات بابرکات کو مرجعیت اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرت عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گذرا، یہاں تک کہ ایک عرصہ تک

[۱] سیرالاولیاء (ص ۱۲۹)۔

آپ سخت گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لیجاتے تھے، یہاں تک کہ اس "عُسر کے بعد یسر" کا دَور آگیا[1]، اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ اُس کے سامنے سلاطین دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی، امیر خسروؒ کے ان اشعار کی تصویر سامنے آگئی۔ ؎

در حجرۂ فقر بادشاہی ✽ در عالم دل جہاں پناہی

شاہنشہ بے سریر بے تاج ✽ شاہانش بخاک پائے محتاج

فقیر منعم

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ:- وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا اور سعادت قدم بوسی حاصل کرتا، کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا[2]۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا:-

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشاء تک، گر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے، اور جو کچھ کوئی لاتا اُس سے زیادہ حضرتؒ کی عنایت سے پاتا[3]"

---

[1] ان مع العسر یسراً۔ ان مع العسر یسراہ ۔ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے۔۲۰

[2] سیر الاولیاء۔

[3] سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (ص۲۰۸)۔

بیداری پر پہلا سوال

عادت مبارک تھی کہ جب قیلولے سے اُٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اُس کو انتظار نہ کرنا پڑے[1]۔

دنیا سے تنفر اور بذل و عطا

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی، اکثر گریہ فرماتے جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اُتنی ہی زیادہ گریہ کرتے، اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیج کر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورتمندوں کو پہنچ جاتا تو سکونِ خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اِس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد کی خبر پہونچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ:۔ کہاں آگئے ہیں، فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں[2]۔

زمین و جائداد سے پرہیز

امیر حسن علاء سجزی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا، ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اُسکے ساز و سامان کی دستاویز حضرتؒ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا، حضرتؒ نے قبول نہ فرمایا، تبسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اس کو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہا کریں گے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں، میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟ ہمارے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی[3]۔

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۲۶)۔ [2] ایضاً ص ۱۳۹

[3] فوائد الفواد (۱۲) ص ۹۹

فقیر کا شاہی دسترخوان

خود دائم الصوم تھے، لیکن روزانہ وقت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع و اقسام کے کھانے وافر مقدار میں چُنے جاتے۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، شہری و پردیسی، صالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ لے جانے کی بھی اجازت تھی بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے۔ یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا، اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں غربا کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی سُنے تھے، بڑے بڑے امرا و درباری و اعیانِ سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے، ہدایت و ارشاد اور سلوک و تربیت کے فیضِ عام کے علاوہ (جس کا دروازہ ہر وقت کھُلا رہتا تھا) حضرت خواجہؒ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا۔ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ہندستان کے "اس خوانِ سلطانی" کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

> "آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رو دیا جاتا ہے، گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ٹیبل ٹاک) اور ہضم کرنے کا چورن ہے، ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان بسا غنیمۃ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخؒ کا کیا حال تھا، گذر چکا کہ دلی عہد سلطنت خضر خاں تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا، لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جس میں اُسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی[1] ... ..."

---

[1] نظامِ تعلیم (ص ۲۱)۔

یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعہ ملک کے عام غربا، فقرا تک اُن کا حصہ پہونچ جاتا تھا، اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ :۔

"مالِ صوفی سبیل است[۱]"

غربت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء و غرباء دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس سے غریب، اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں

تؤخذ من اغنیاءھم و ترد	انکے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے
علیٰ فقراءھم۔	ضرورتمندوں کو پہونچا دیا جائے۔

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق و صفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا۔ خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہو جاتا تھا، یوں سمجھئے کہ غربا کی قسمت جاگ اٹھتی تھی[۲] ——

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھئے اور اس پر غور کیجئے، آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود با جود حلقۂ اتصال بنا ہوا تھا —— اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسرے اغراض رکھتے تھے، ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، مسلمانوں بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں،

۱؎ نظام تعلیم (ص۲۱۳) ۲؎ ایضاً (ص۲۱۷)

بلکہ ان ہی کے ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو[1]۔"

شیخ کی غذا شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اُس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع واقسام کے کھانے اور الوان نعمت ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے[2]۔ آپ کے ایک مرید باختصاص مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں :۔

"میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کیلئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک دہن یا مُنہ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا[3]۔"

ترتیب دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے مخدوم زادگان (مرشد سے نسبت قرابت رکھنے والے) ہوتے، پھر علماء، پھر روساء و اشراف[4]۔

سلاطینِ عہد سے بے تعلقی سلسلۂ چشتیہ کی بُنیاد سلطنتِ ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنتِ اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و انابت کی رُوح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی، اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھایا تھا۔ ایک طرف وہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور غم اسلام سے خالی اور اس مُلک میں مُسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کرچکے تھے کہ ان کو دربار سے براہِ راست کوئی تعلق

---

[1] نظام تعلیم ص ۲۲۵ [2] سیر الاولیاء ص ۱۲۵ [3] ایضاً ص ۱۲۵ [4] ایضاً ص ۲۰۲

رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدینؒ تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ ان کو نہ دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطین وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے، اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں اُلجھا، اور انقلاباتِ سلطنت کا ان کے مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مسلّم رہی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا، اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبولِ عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب شیخ کبیرؒ کے پاس سے ہندوستان کی تسخیرِ رُوحانی اور تبلیغ و ارشاد پر مامور ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ و جلال کیساتھ سلطنت کی، لیکن سوائے ایک ایسے موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت و حرمت کی مجلسِ مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ کبھی بادشاہِ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ غیاث الدّین بلبن کے عہدِ سلطنت میں ان کا آفتابِ شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا اس لئے غیاث الدّین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی۔ معز الدین کیقباد لہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدّین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحبِ علم و حلم، جوہر شناس، اور اربابِ کمال کا قدردان تھا، اور حضرت خواجہؒ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدّین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بردار تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطلاع حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو جانا ہے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے، اس لئے کہ اگر میں نے اس کی اطلاع نہ دی تو شاید میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو،

اگرچہ بادشاہ نے اِس بارے میں امیر خسروؒ کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشدؒ سے رازداری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی۔ امیر نے حضرت خواجہؒ سے جا کر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا حضرت خواجہ نے یہ سُنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کا رُخ فرمایا اور روانہ ہوگئے۔ بادشاہ کو جب اِس کی اطلاع ملی تو امیر خسروؒ پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کردیا، اور حضرت خواجہؒ کی قدمبوسی کی سعادت سے محروم کردیا۔ امیر خسروؒ نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا لیکن مرشدؒ کی رنجش سے سلبِ ایمان کا خوف تھا۔ بادشاہ حلیم و فرزانہ تھا اُس نے اس جواب کو پسند کیا، اور خاموش ہوگیا[1]۔

سُلطان علاء الدّین کا امتحان اور عقیدت

سُلطان علاء الدّین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبال مند بادشاہ اور سکندر ثانی ہے، اپنے چچا جلال الدّین کے بعد تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ ابتدا میں اُس کو حضرت خواجہؒ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تنفّر تھا بعض لوگوں نے سُلطان کو حضرت خواجہؒ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی، اور انکی مقبولیت اور رجوعِ عام سے سلطنت کیلئے خطرات ثابت کئے۔ سُلطان علاء الدّین نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولی عہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ سے انتظامِ سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہؒ کی خدمت میں آیا، آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا، حاضرینِ مجلس سے فرمایا کہ ہم دُعا کرتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام؟ میں ایک فقیر آدمی ہوں شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے بادشاہ اور مسلمانوں کیلئے دُعا گوئی میں مشغول ہوں، اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے کچھ تعرض کرنا ہے میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں، اللہ کی زمین وسیع ہے۔ سُلطان علاء الدّین اس جواب سے بہت خوش ہوا، اور کہا، کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہؒ کو امورِ سلطنت و سیاست سے کوئی سروکار نہیں لیکن

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۵

بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردانِ خدا سے لڑا دیں، اور اس طرح مُلک تباہ ہو جائے۔[۱]

بادشاہ کے آنے سے معذرت

سُلطان نے حضرت خواجہؒ سے بڑی معذرت کی اور کہلوایا کہ "میں آں مخدوم کا معتقد ہوں، مجھ سے گستاخی ہوئی معاف کیا جائے، اور حاضری کی اجازت دیجائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کروں" حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ "آنے کی حاجت نہیں، میں غائبانہ دُعا کرتا ہوں، اور غائبانہ دُعا بڑی مؤثر ہوتی ہے۔[۲]"

گھر کے دو دروازے

سُلطان نے اس کے بعد بھی مُلاقات کے لئے بڑا اصرار کیا، حضرت نے فرمایا کہ اِس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔[۳]

غمِ اسلام

اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا، لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی، اور وہ مہماتِ سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہؒ سے رجوع کرتا رہا، ایسے موقع پر وہ آپ سے دُعا کی درخواست کرتا، اور آپ اہتمام کے ساتھ دُعا فرماتے۔

قاضی ضیاءالدین برنی لکھتے ہیں کہ:- جب ملک نائب (کافور) ورنگل کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پُرخطر ہو گیا تھا، راستہ کے تھانے اور چوکیاں بھی اُٹھ گئیں تھیں، چالیس روز سے زیادہ ہو گئے تھے، کہ لشکر کی سلامتی کی اور خیریت کی اطلاع سُلطان تک نہیں پہنچی تھی، سُلطان کو بڑا تردد تھا، اکثر اعیان و امراءِ دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کے نذر ہو گیا کہ سلسلۂ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایّام میں ایک روز سُلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکرِ اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے، آپ کو

---

[۱] سیر الاولیاء، ص ۱۳۴ [۲] ایضاً ص ۱۳۵ [۳] ایضاً ص ۱۳۵

اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے، اگر نورِ باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و مسرور فرمائیں۔
سُلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرتؒ کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اُس کو محفوظ رکھیں
اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے سُلطان کا پیغام پہنچایا، آپ نے
پیغام سُننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ "یہ فتح کیا ہے ہم اور فتوحات
کی بھی اُمید رکھتے ہیں"۔ یہ سُنکر ملک قرا بیگ، اور قاضی مغیث الدین شاداں و فرحاں واپس آئے اور سُلطان کو
جواب سُنایا، سُلطان یہ جواب سُنکر بہت خوش ہوا، اُس کو یقین ہو گیا کہ ورنگل فتح ہو چکا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُسی روز
نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور ورنگل کا فتح نامہ لائے، جمعہ کے دن وہ فتح نامہ
منبروں پر سے پڑھ کر سُنایا گیا، صحن میں خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں سُلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔[1]

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے سُلطان بنفسِ نفیس جنگ میں شریک تھا، اُس نے حضرت
خواجہؒ کی خدمت میں عرض کروایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے آپ متوجہ رہیں۔ حضرت خواجہؒ نے تمام اہلِ خانقاہ سے
ارشاد فرمایا کہ:۔ متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دُعا کریں۔ چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوڑے
ہی عرصہ میں فتح کی خبر آئی، مغلوں نے شکستِ فاش کھائی۔[2]

قاضی ضیاء الدین سُلطان علاء الدین کے اہلِ دربار میں سے تھے کہتے ہیں کہ:۔ اپنے پورے عہدِ حکومت میں
کبھی سُلطان کی زبان سے حضرت خواجہؒ کے بارے میں کوئی خلافِ شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین، شیخؒ کی
شاہانہ داد و دہش رجوعِ خلائق اور شاہی لنگر کو سُلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پر بیان کرتے کہ سلطان بدگمان
ہو جائے، لیکن سُلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا، اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اُس کو حضرتؒ
سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، اس سب کے باوجود کبھی مُلاقات کی نوبت نہ آئی۔

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۳۳۲ [2] سیر الاولیاء ص۱۱۶

سلطان علاء الدین کے بعد اُس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ولی عہد سلطنت	سلطان قطب الدین کی مخالفت اور اُس کا قتل

خضر خاں کو محروم و مکحول کر کے غاصبانہ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔

"خضر خاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی، اس لئے قطب الدین حضرتؒ سے بھی ناراض رہتا تھا، اُس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد "جامع میری" کے نام سے بنوائی تھی، اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نمازِ جمعہ ادا کریں۔ سلطان المشائخؒ نے کہلا بھیجا کہ: "ما مسجد نزدیک داریم و ایں احق است ہمیں جا خواہم گزارد" (ہمارے قریب ایک مسجد ہے اُس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جامع میری نہیں گئے۔ بادشاہ سخت برافروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور مشاہیر شہر دربارِ شاہی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے، سلطان المشائخؒ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ادائے رسم کیلئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے اس سے بھی وہ برہم تھا۔ اُس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا کہ: ——

"کسے بزیارتِ شیخ غیاث پور نہ رود"

(کوئی شیخ کی زیارت کیلئے غیاث پور نہ جائے)

امیر خسروؒ نے یہ لکھا ہے کہ: "بار ہا می گفت کہ ہر کہ سر شیخ برد ہزار تنکا او را دہم" (جو شیخ کا سر لائے گا اُس کو ہزار تنکہ دوں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں سُلطان جی اور قطب الدین کا آمنا سامنا بھی ہو گیا، سُلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا، قطب الدین نے جواب نہ دیا، یوں مسلسل

واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے[1]۔ نوچندی کی حاضری پر اصرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ: "اگر در غرہ ماہ آئندہ نیامد بیاریم چنانکہ دانیم" گویا کہ یہ اس کی دھمکی تھی کہ بزورِ حکومت دربار میں گھسیٹوا کر بلواؤں گا شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔ سلطان جی کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی۔ سلطان المشائخ ہیچ نگفت۔ اب مہینہ ایک ایک کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ "ہر چند ماہ نزدیک رسید التفات مخلصاں را روئے بیشتر می داد" (مہینہ جتنا نزدیک آرہا تھا اہل تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جارہا تھا) چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا، کل پہلی تاریخ ہے، شہر کے اعیان و امراء دربار میں جائیں گے لیکن سلطان المشائخ یہی طے کئے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کئے ہوئے ہے کہ: "اگر نیامد بیاریم چنانکہ دانیم" "یک صرف شب درمیان است"۔ دلّی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے، دنیا اور دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گزرنے بھی نہ پائی کہ: "ہم دریں شب ماہ بلائے از آسمان برجان بادشاہ نازل شد" (اسی شب ماہ میں بادشاہ کی جان پر آفت آسمانی نازل ہوئی) یعنی "خسرو خاں موئے سر سلطان اگرفت و باہم در آویختند پہلوئے سلطان را بہ خنجر شگافتہ برزمین انداخت و سر آں شوم را از تن جدا کردہ از بام ہزار ستون بزیر افگند۔" (طباطبائی) خسرو خاں نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑے، دونوں باہم دست و گریباں ہوئے۔ خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا، اور اس شامت زدہ کا سر تن سے جدا کر کے

[1] نظام تسلیم ص ۲۲۰

بامِ ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا۔"[1]

غیبی لنگر

اُنھی زمانہ میں جب سُلطان قطب الدین کی طرف سے اِس بات کی خاص طور کی تھام تھی کہ اُمراء دربار اور اعیانِ سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں کوئی نذر پیشکش نہ ہونے پائے، تاکہ دیکھا جائے کہ یہ شاہانہ لنگر خانہ کس طرح چلتا ہے، آپ نے خاص طور پر تاکید فرمارکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دسترخوان وسیع سے وسیع تر کر دیا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا :-

"ایک بار سُلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے، اور اُمراء و سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سُلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ :— کوئی امیر یا سردار شیخؒ کے یہاں نہ جاوے، دیکھو

---

[1] نظام تعلیم و تربیت ص۲۳۰ سیر الاولیاء میں یہ واقعہ منقول ہے مگر تاریخ و ماہ و سنہ درج نہیں۔ ص۱۵۱ و ص۱۵۲ تاریخ فرشتہ جلد اوّل میں بضمن تذکرہ قطب الدین سُلطان کے قتل کی تاریخ شب پنجشنبہ ربیع الاوّل ۷۲۱ھ مذکور ہے جس کے ساتھ نوچندی کے سلام کی روایت اور چاند رات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ میل نہیں کھاتا (ص۱۲۷)، پھر اسی کتاب کی جلد دوم میں جہاں حضرت سُلطان المشائخ کا تذکرہ ہے وہاں سُلطان کے قتل کی تاریخ ۲۹ رشوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (ص۴۲۰ و ص۴۲۱ جلد ۲) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تر اور قابلِ اعتماد ماخذ امیر خسروؒ کی مثنوی "تغلق نامہ" ہے، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف اور امیرؒ کی مستند اور مشہور مثنوی ہے۔ اس میں اُنھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ :۔ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۷۲۰ھ کی عین چاند رات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں۔ ؎

چوں تاریخِ عرب شد ہفصد و بیست ❊ ثباتِ قطب شد کم جانبِ زیست

جماد دوئمیں را شد پدیدار ❊ ہلالِ تیرہ و تاریک دیدار

مہ باریک بُود از حالت تلخ ❊ بناخن کردہ خود را پیش ازاں سلخ

شد آں مہ برہمہ گیہاں مُبارک ❊ مگر بر طالعِ سُلطاں مُبارک

(تغلق نامہ ص۱۹ طبع حیدرآباد)

اِن اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہوگیا، اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی بھی تصدیق ہوگئی۔ ۱۲۔

وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں' اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جائے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے جب یہ سُنا فرمایا:۔ کھانا آج سے زیادہ پکایا جائے' ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ سابق جس قدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے' بادشاہ یہ سُنکر پشیمان ہوا کہا میں غلطی پر تھا' آپ کا معاملہ عالم غیب سے ہے"۔[1]

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے غاصبانہ سلطنت کی اور شعائر اسلام کو سرنگوں کرکے اسلام کی تذلیل کی۔ سنہ ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کرکے تغلق خاندان کی سلطنت کی بُنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحب علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سماع سنتے تھے ان کی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہوگیا تھا'[2] ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایۂ عاطفت میں رہا تھا، وہ باوجود مجاہدوں کے ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے فیضیاب نہیں ہوسکا تھا۔ نیز قاضی جلال الدین لوالجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درد و محبت سے ایک طرح کی کد تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اسنے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماع سُنتے ہیں' جو امام اعظمؒ کے مذہب میں حرام ہے' اور ان کی وجہ سے ہزارہا مخلوق اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے۔ سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا' اس کو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں ایسا نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔

---

[1] خیر المجالس ماخوذ از ترجمہ ص۲۰۳

[2] سماع کی حقیقت' اغراض و مقاصد اور اسکے آداب و احکام کی بحث چوتھے باب "اذواق و کیفیات" میں ملاحظہ ہو۔

لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں، بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علمائے دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اس کو منع کرتے ہیں اسلئے حضرت خواجہ اور تمام علماء شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خورد کی زبان سے اس کی تفصیل سنئے :۔

"قصر شاہی میں حضرت خواجہؒ کی طلبی ہوئی، حضرت خواجہؒ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادی کی معیت میں کہ دونوں سرآمد علماء اور اساتذۂ وقت تھے محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا، یہاں تک کہا کہ اگر اسکے بعد آپنے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ: جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اُس سے معزول ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علماء، اکابر صدور و امراء اور ارکان سلطنت حاضر تھے۔ بادشاہ اور سب حاضرین مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی، اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے لوگ رقص کرتے ہیں، آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں۔ حضرت خواجہؒ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا:۔ شور مت کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں پہلے یہ بتلاؤ کہ سماع کی تعریف کیا ہے؟۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے

فرمایا کہ:۔ جب تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے' اور نہ کہنا چاہیئے۔ شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا، بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سُن رہا تھا، جب کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے۔ مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے میں نے خود دیکھا ہے' اور بہت سے مشائخ اور درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے ـــــــــــ

اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ بہاءالدین زکریا ملتانیؒ کے نواسے مولانا علم الدین آگئے۔ بادشاہ نے اُن سے کہا کہ آپ بھی عالم ہیں اور شیخ بھی اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سُننا حرام ہے یا حلال؟۔ مولانا علم الدین نے کہا کہ میں نے اِس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے اس میں اس کی حرمت و حلت کے دلائل نقل کئے ہیں' تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں اُن کے لئے حلال ہے اور جو نفس سے سُنتے ہیں اُن کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین سے پوچھا کہ:۔ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں' وہاں کے مشائخ سماع سُنتے ہیں یا نہیں' اور وہاں کوئی منع کرتا ہے؟۔ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ:۔ ان سب شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں' اور بعض دف و شبانہ کے ساتھ بھی' کوئی مانع نہیں ہوتا، اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنیدؒ و شبلیؒ کے وقت سے مروّج چلا آرہا ہے۔ بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سُنکر خاموش ہوگیا

اور اُس نے کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ سماع کی حرمت کا فرمان صادر کر دیں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں، بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا، اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔ مولانا فخر الدین (جو مجلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی، اہلِ مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پر بحث آکر ختم ہوگئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہؒ سماع سُن سکتے ہیں اور کسی کو اُن کو منع کرنے کی اجازت نہیں، لیکن یہ روایت مرجوح ہے ——— انھیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے فرمانِ سلطانی ہوگیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سُنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہوسکتا، اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے حضرت خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔"[1]

مجلسِ مناظرہ کا حال حضرت خواجہؒ کی زبان سے

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب حسرت نامہ میں لکھتے ہیں کہ:- جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہو کر مکان پر تشریف لائے تو آپ نے نمازِ ظہر کے وقت مولانا محی الدین کاشانی اور

[1] سیر الاولیاء، باختصار ص۵۲۷ تا ص۵۳۲

امیر خسرو کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا کہ دہلی کے علماء عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں، عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیثِ نبویہ کا سننا ان کو گوارا نہیں تھا، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے، یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیثِ نبویہ پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کوئی صحیح حدیث پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنیں گے، معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں، اولوالامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے، اور احادیثِ صحیح کو روکتے تھے، میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ اس کے سامنے احادیثِ صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے، تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے، اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیثِ نبوی پر اعتقاد کیسے رہے گا مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلاء و جلاء و قحط و وبا نہ برسے[1]۔

دہلی کی تباہی

اس واقعہ کے ٹھیک چھ[2] سال حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہو جانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دلی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی متنفس کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے :-

---

[1] سیر الاولیاء ص۵۲۵ و ص۵۳۲

اصرے از مردم دہلی راکہ باآب و ہوائے آں جا	کارپردازانِ حکومت نے کسی ایک شخص کو بھی
خوگرفتہ بودند، بحالِ خود نگذاشتہ	جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا اپنی جگہ نہیں
طرابہ دولت آباد فرستاد و دہلی بنوعے	چھوڑا، سب کو کلیۃً دولت آباد (دیوگیر) بھیج دیا
ویراں گشت کہ آوازِ ہیچ متنفس بجز شغال	اور دہلی اس طرح ویران ہوئی کہ کسی ایک جاندار
و روباہ و جانوران صحرائی بگوش نمی رسید[1]	کی آواز بھی سوائے گیدڑ، لومڑی اور جنگلی
... ...	جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی ۔

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت دولت آباد جلا وطن ہوئے، دولت آباد پہونچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں راستہ میں لقمۂ اجل بن گئے، اور ہزاروں وہاں پہونچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے، اور حضرت خواجہؒ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی ۔

نظام الاوقات

امیر خورد نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے :-

" روزہ افطار کرنے کے بعد (جو اہلِ جماعت کے ساتھ ہوتا تھا) اپنے بالاخانہ کے قیام گاہ پر تشریف لے جاتے تھے، احباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوئے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان اوپر ہی بلائے جاتے تھے ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، ہر قسم کے تر و خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں، حاضرین مجلس تناول کرتے آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے[2] "

امیر خسرو کی خصوصیت

عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کیساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لے جاتے، کچھ دیر مشغول رہتے،

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۱۳۴ھ [2] سیر الاولیاء ص ۱۲۵

پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لے جاتے، اُس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اُس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی[1]، وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے۔ آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ "ترک کیا خبر ہے؟" امیر خسرو اتنی بات سُنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ پوری داستان سُناتے[2]، اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے۔ ؎

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ برکفِ پایت نہد بخواب شود

شب کی تیاری

جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کے لئے رکھ کر باہر چلے جاتے، اس کے بعد حضرت خواجہؒ خود اُٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق و شوق کی باتیں

---

[1] امیر خسرو کو حضرت خواجہؒ سے جو والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ اُن کے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے، بلبل کو گل سے اور پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے اُسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا، حضرت خواجہؒ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ "من از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" "مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں گھبراتی۔ مزید براں ایک بار فرمایا: "از ہمہ کس تنگ آیم تا حدے کہ از خود تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" بعض اوقات اپنے سے بھی اُکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اُکتاتا (سیر الاولیاء، صفحہ ۳۰۲) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیکھئے، میں نے اُس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اُس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ۔ (صفحہ ۳۰۲) ۔۳۰

[2] بحرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را ❊ من از شوقِ حضوری طول دادم داستانے را

ہوتیں۔ حضرت خواجہؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔ ؎

تنہا منم و شب و چراغی — مونس شدہ تا پگاہ روزم
گاہش ز آہ سرد بکشم — گاہ از تف سینہ برفروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبانِ مبارک سے سنا گیا ہے، اور حکایت حال ہے۔ ؎

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا
کز من و کے نماند وازوے دودے

سحری سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا، حضرت خواجہؒ دروازہ کھول دیتے، سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کے لئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو۔ خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا، بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت والا افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائے گا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے رات گذار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اُتر سکتا ہے۔ چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اُٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت جب دن ہوتا جس کی جمالِ مبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر نہ آتا، اور آپ کی کسی ہیئت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا، کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں، یا اتنی تسبیح کا معمول ہے، عمر عزیز ان باطنی مشغولیتوں میں گذرتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے،

جس سے افضل کوئی کام نہیں۔ ع

"دل بدست آور کہ حج اکبر است"

دن میں دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول، مُتَوَجِّهًا اِلَى اللهِ تَعَالٰى كَاَنَّهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهِ (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ روبرو ہے) بیٹھ کر گذار دیتے۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء و مشائخ، صدور و اکابر، وضیع و شریف، ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اُسی میں اُس سے گفتگو کرتے اور اُس کی دلجوئی فرماتے، ظاہری طور پر اُن میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بحق ہوتے[1]۔

دلداری و تربیت نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدمبوسی کیلئے آئے ہوئے ہوتے اُن کو طلب فرمایا جاتا اور اُن سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گزرتا عبادات و سلوک و محبتِ الٰہی کے بارے میں اُن کی رہنمائی کی جاتی، اکابر علماء و صلحاء کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمت نہ ہوتی کہ سر اُٹھا کر چہرۂ مبارک کو دیکھتے، ایسا رعب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قربِ سفر عمر مبارک جب اسّی سے متجاوز ہوئی تو سفرِ آخرت کے آثار نمایاں ہوئے۔ ایک روز ارشاد فرمایا کہ:۔ میں نے خواب میں حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ارشاد ہوا:۔ "نظام ہم کو تمہارا بڑا اشتیاق ہے"[2]۔

خلفاء کبار کو اجازت نامے اور انکی محبت و مواخات بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی اور اجازت نامے

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۲۵ و ص ۱۲۹۔ [2] ایضاً ص ۱۴۱۔

لکھ کردیئے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے ان کا مضمون مرتب کیا، اور سید حسین کرمانی نے اُن کی کتابت کی، آپ نے اُن پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے، دستخط کے الفاظ یہ تھے: "من الفقیر محمد ابن احمد ابن علی البداؤنی البخاری" ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ درج ہے، گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں[1]

جن حضرات کیلئے یہ اجازت نامے تھے اُن کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے، جو حضرات موجود تھے اُن کو بُلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعتِ خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ اُن کو مرحمت ہوا، اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو، دوستوں نے مُبارکباد دی۔ اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا، اُن کو بھی خرقۂ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی، وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مُبارکباد دو، پھر شیخ نصیر الدین محمود سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مُبارکباد دو، دونوں نے ایک دوسرے کو مُبارکباد دی، پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے کا حکم ہوا۔ پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا[2]۔

وفات کا حال

وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیّر کی کیفیت پیدا ہوگئی۔ امیر خورد نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے، اُن کا بیان ہے:—

"جمعہ کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی، نورِ تجلّی سے ان کا باطن منور معلوم ہو رہا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالتِ تحیّر میں مکان تشریف لائے، گریہ میں ترقی ہوگئی۔ روزانہ کئی کئی بار

---

[1] حضرت خواجہؒ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء صفحہ ۲۲۰ و صفحہ ۲۲۱ و صفحہ ۲۲۲ و صفحہ ۲۲۸ و صفحہ ۲۲۹۔

غیبوبت و استغراق ہو جاتا تھا، پھر توجہ ہو جاتی تھی، یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے، دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں، ہر نماز کو مکرّر ادا کرتے، جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرّر فرماتے:۔ آج جمعہ کا دن ہے؟ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ مصرع پڑھتے

"می رویم و می رویم و می رویم"

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور اُن کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ :۔

"تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچالی ہو تو کل روزِ قیامت اُس کو خدا کے سامنے جواب دینا ہو گا"۔ اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ اور واقعی اُس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا، سوائے اُس غلّہ کے جو چند دن کیلئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسین نے اطّلاع دی کہ غلّہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے اُن کو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مردار ریت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟۔ اقبال نے عرض کیا کہ غلّہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بُلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلّہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلّہ بے تکلف اُٹھائے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہو گئی اور اُسنے غلّہ کو لوٹ لیا۔ اسی بیماری میں کچھ احباب اور خدمتگار حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا کہ :۔ آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہو گا؟۔ فرمایا کہ :۔ یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گذر ہو جائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سُنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون نصیب ور ہو گا؟[1]۔ فرمایا :۔ جس کی قسمت یاوری کرے گی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا مولانا شمس الدین دامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے اپنے

---

[1] غالباً جانشینی و خلافت کے متعلق سوال تھا۔ ۱۲

اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنالی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اُس کی عمارت میں آرام فرمائیں[1]، اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خود رائی سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہونچایا تو ارشاد ہوا کہ:۔ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے اُس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرمادی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، گریہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ؎

گر نہ بینی گریۂ زارم ندانی فرق کرد
کاب چشمم است اینکہ پیشت می رود یا آب جو

اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شوربہ لائے، مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمالیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ:۔ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ:۔ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا: "بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو" آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہوگئے ہیں کہ آں مخدوم نے کھانا بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟۔ فرمایا:۔ سید جو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اُس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے!۔ الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا اُسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ کے دن تک، جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت اور ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہوگیا۔

[1] یعنی مدفون ہوں۔ ۱۲

نمازِ جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرۂ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔ نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ :۔

"مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴ سال تک دہلی میں اسلئے رکھا گیا کہ مجھے اس نمازِ جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو۔"[1]

ساری عمر تجرّد میں گذری، اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی، رُوحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا، اور ابھی تک جاری ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۵۴ تا ص۱۵۵)۔

باب سوم

اخلاق و صفات

جامع اوصاف حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف و خصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین و جامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت اُن کے صاحب نظر شیخ و مرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا۔

باری تعالیٰ ترا علم و عقل و عشق دادہ است	اللہ تعالیٰ نے تم کو علم و عقل و عشق کی دولت عطا
و ہر کہ بدیں صفت موصوف باشد از و خلافت	کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ مشائخ کی
مشائخ نیکو آید[1]	خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے، یہاں علم و عقل و عشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ صحبت، معرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت و صحبت جو بہترین اثرات و نتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دورِ آخر میں "تصوف" پڑ گیا ہے۔ یعنی اخلاص و اخلاق اُس کی بہترین نمود اُن کی زندگی میں نظر آتی ہے۔

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۳۴۵)۔

اخلاص ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے اُن کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبولِ عام اور بقائے دوام عطا کیا اور اُن کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی، محبت و یقین کے شعلے نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر رکھ دیا تھا، حبِ دنیا، حبِ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصالِ کلی ہو چکا تھا۔ ؎

شاد باش اے عشقِ خوش سودائے ما ؛ اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما ؛ اے تو افلاطون و جالینوس ما

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت ؛ ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت ؛ شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت[1]

امیر حسن علا سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟۔ فرمایا کہ:۔ آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے، وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے۔ اس پر یہ ذکر آ گیا کہ گذشتہ زمانہ میں ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہو گی اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر (جو اُس زمانہ میں خالی تھا) اُن کا تقرر ہو جائے گا۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اور آپ نے فرمایا:۔

بسوز تا قل شیخ الاسلامی راو پس خانقاہ را ؛ آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی کو پھر خانقاہ کو

---

[1] مولانا روم ؒ۔

وبعد ازاں خود را[1] — پھر اپنے کو خاک کرکے رکھ دو۔

حضرت خواجہؒ کی ساری زندگی اسی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے، اور اسی چیز نے اُن کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کردی تھی۔ اُنھیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ[2] سے (جو نویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدیٰ تھے) یہ دو شعر منقول ہیں، جو اس صورتِ حال اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ؎

ما را نہ مرید درد خواں می باید — نے زاہد نے حافظ قرآں می باید

صاحب دردے سوختہ جاں می باید — آتش زدہ بہ خانماں می باید

اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی (جن سے تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اُس مقام پر پہونچ گئے ہیں کہ حبِ جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہوچکا ہے۔ مولانا فصیح الدین نے سوال کیا کہ: ۔ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا: ۔

"کسے را کہ در خاطر او توقع خلافت نباشد"[3] — وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیر الاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جاچکی تھی معلوم ہوا کہ وہ کئی کمبل تہہ کرکے بچھا کر اُس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امراء و عوام و خواص اُن کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں، آپ اس سے اتنے آزردہ ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۳۴)۔

[2] حضرت شاہ محمد مینا محمد بن قطب لکھنوی (م ۸۸۴ھ)۔

[3] سیر الاولیاء (ص ۳۴۵)۔

اُن سے مُنھ پھیر لیا اور اُن کو اجازت سے محروم کر دیا، عرصہ تک اُن سے ایسی ہی بے رُخی رہی، جب تک کہ اُن کا عُذر ظاہر نہیں ہوا، اور انھوں نے معافی نہیں مانگی، اُن پر نظرِ عنایت مبذول نہیں ہوئی [1]

دشمن نوازی اخلاص وفنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہونچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے، وہ نہ صرف آشنا پرور دوست نواز ہوتا ہے، بلکہ دشمن کا احسان مند اور دشمن کے حق میں دُعا گو بن جاتا ہے، گویا دشمنی کوئی احسان ہے، کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دُعا نکلتی ہے، اور مُنھ سے پھول جھڑتے ہیں —

امیر علاء سجزی راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔ ع

"ہر کہ ما را رنج دادہ راحتش بسیار باد"

(جو ہم کو رنج دے خدا اُس کو بہت راحت پہونچائے)

اسکے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ——— ؎

ہر کہ او خارے نہد در راہ ما از دشمنی
ہر گُلے کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد [2]

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ فرماتے تھے کہ حصار اندرپت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) چھجّو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرتؒ سے دشمنی تھی، بُرا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف و ایذا پہونچانے کی فکر میں رہتا تھا، اُس کا انتقال ہو گیا، حضرت شیخؒ نے اُسکے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اُسکے بالیں پر دو رکعت نماز پڑھی اور دُعا فرمائی کہ :- خدایا! اس شخص نے جو کچھ کہا ہو یا بُرا سوچا ہو

---

[1] سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ [2] فوائد الفواد ص۸۳ (ترجمہ) جو ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے اللہ کرے اسکے گلشنِ حیات میں جو پھول کھلے بے خار ہے۔

میں نے اُس کو بخش دیا، تو میری وجہ سے تم اس کو سزا نہ دینا[۱]۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر بُرا بھلا کہتے ہیں، ہم سے سُنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا، تم بھی معاف کرو، اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے، دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائیگا۔ فرمایا کہ:- آخر لوگ بُرا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ "مال صوفی سبیل است و خون او مباح" (صوفی کا مال وقف ہی اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہی تو کسی بُرا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے؟[۲]۔

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کیساتھ بدی کی جائے لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہی کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا:-

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی ایں خار خار باشد ... ... میانِ مردمان ہم چنین است بانغزاں نغزی و با کوزان کوزی، اما میان درویشان ہمچنین است کہ بانغزاں نغزی باکوزاں ہم نغزی[۳]۔	اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھ دو، تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائینگے۔ لوگوں کے درمیان عام اصول یہی ہی کہ سیدھوں کیساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کیساتھ ٹیڑھا۔ لیکن درویشوں کا اصول یہ ہی کہ سیدھوں کیساتھ سیدھا، اور ٹیڑھوں کیساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہؒ کا اِس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ بُرا کہنا تو بڑی چیز ہی' وہ بُرا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے ایک مرتبہ فرمایا:-

---

۱؎ سیر العارفین (قلمی)　۲؎ فوائد الفواد ص۹۵　۳؎ ایضاً ص۹۵

بدگفتن اندک است اما بدخواستن ازاں بدتراست[1]	بُرا کہنا بھی بُرا ہے، لیکن بُرا چاہنا اُس سے کہیں بُرا ہے۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا، تو اپنے شیخ اور ولی نعمت کے عزیزوں اور تعلق والوں کیساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ ایک لااُبالی و بیباک آدمی تھے، ایک دن قلم دوات اور کاغذ لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک سفارشی خط لکھ دیجئے تاکہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ :۔ نہ میری اُس سردار سے کبھی مُلاقات ہوئی ہے نہ وہ یہاں کبھی آیا ہے، جس شخص سے بالکل جان پہچان نہ ہو اُس کو رقعہ کس طرح لکھا جائے؟۔ صاحبزادے کو غصّہ آگیا اور اُنھوں نے سخت سُست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو، اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے، اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ تم سے نہیں لکھا جاتا، یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکا دے رہے ہو؟ یہ کہہ کر دوات زمین پر پٹک دی اور اُٹھ کر چلے۔ حضرتؒ نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کیوں جا رہے ہو، خوش ہو کر جاؤ، اسکے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضامند کر کے رخصت کیا۔[2]

پردہ پوشی و نکتہ نوازی

سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیرینی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آرہے تھے، ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے، انھوں نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کرینگے اور وہ اکٹھا حضرتؒ کے سامنے رکھیں گے، خادم سب کو اُٹھا کر لے جائے گا، کیا پتہ چلے گا کہ کون کیا لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اُٹھا کر کاغذ میں باندھ لی، جب سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر ہوئے

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۵۵۵ [2] سیر العارفین (قلمی)۔

ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی، مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھ دی، خادم وہ سب چیزیں اُٹھا کر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اُٹھانا چاہا۔ حضرتؒ نے فرمایا: "اس کو یہیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے" یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ کر اُن عالم صاحب نے توبہ کی، اور مرید ہوئے[1]

شفقت و تعلق اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہلِ تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اُس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کاملین کی یہ شفقت دراصل نبیؐ کی اُس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے: ۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ (التوبہ ع ۱۶)	اے لوگو تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہش مند رہتا ہے ایمانداروں کیساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اس حکم کی تعمیل ہے جس کا خطاب رسولؐ سے ہے: ۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۔ (شعراء ع ۱۱)	اُن لوگوں کیساتھ فروتنی کیساتھ پیش آؤ جو مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علا سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا: ۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۴۲

"بھائی ذرا مل مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہو جائے، دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں[۱]"

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا ملفوظ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ "خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اُس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں، جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں[۲]"

امیر حسن علاء سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو جی چاہا، بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیئے، میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرتؒ کی زیارت کئے بغیر واپس چلا جاؤں، میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا، حضرتؒ نے فرمایا "اچھا کیا" پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

در کوئے خرابات وسرائے او باش

منعے نبود بیا و بنشیں و بہ باش

پھر فرمایا کہ "مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی ان کے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے[۳]"

غمخواری عام یہ اہلِ قلوب جسم دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلقِ خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں، وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں، اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں، یہ کہنے کا حق درحقیقت انھیں کو ہے، کہ۔ ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدینؒ

---

[۱] فوائد الفواد ص۹۱ [۲] سیر الاولیاء ص۱۲۲ [۳] فوائد الفواد (ج ۱) ص۹۵

عجب فارغ البال بزرگ ہیں، مجرد ہیں، اہل وعیال واطفال کا کوئی تردد اُن کو نہیں ہے، اُن کو ایسا فراغِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرۂ غم بھی اُن کو چھو نہیں گیا ہو۔ وہ عزیز اُس مجلس سے اُٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں، حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا :-

"میاں شرف الدین وہ رنج وغم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اُس سے دوچند فکر و تردد اور غم والم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے، اسکے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے :-

"المخلصون علیٰ خطرٍ عظیم" (مخلصین کو بڑا خطرہ درپیش رہتا ہے)

اس سے بھی سمجھ سکتے ہو کہ ۔ ع

نزدیکاں را بیش بود حیرانی[1]

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا :-

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اُس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہونچاؤ کہ مومن کا دل اسرار ربوبیت کا مقام ہے"۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے ۔ ؎

می کوش کہ راحت بجانے برسد ⁂ یا دست شکستۂ بنانے برسد

(کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہونچے، یا جو دست شکستہ ہو اُس کو تمہارے ذریعے روٹی ملے)

---

[1] سیر العارفین (قلمی)

ایک مرتبہ فرمایا کہ :-

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا"[۱]

چھوٹوں پر شفقت

حضرت خواجہؒ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیاتِ باطنی کے ساتھ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے، اور وہ اپنی شدید مصروفیت کے باوجود اُنکی دلجوئی و ملاطفت کیلئے وقت نکال لیتے تھے، ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے، اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے، لیکن آپ اُن صاحبزادے کا انتظار کرتے آپ اپنے بچے کی طرح خلوت وجلوت میں اُن کی تربیت و دلداری فرماتے[۲]

خواجہ رفیع الدین کو تیروکمان اور پیراکی وکشتی کا بڑا شوق تھا حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کیساتھ اُن سے انھیں فنوں کی باتیں کرتے تھے ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے، ان فنوں کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے تاکہ یہ خوش ہوں[۳]

جو شریف النسب اور ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تجمل پیدا ہوتا (جس کو بعض سخت گیر فقاہت و متانت کے خلاف سمجھ کر اعراض کرتے ہیں) حضرت خواجہؒ اُن کی بھی دلجوئی فرماتے، اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظرانداز فرماتے، اور اپنے اخلاق ومحبت سے اُن کی اصلاح اور تربیت کی کوشش فرماتے۔

۱؎ سیر الاولیاء صفحہ ۱۲۸ ۲؎ ایضاً صفحہ ۲۰۳ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲۰۲

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا، وہ اُس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے حضرت خواجہؒ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا:—

سیّد بیا و بنشیں و سعادت ببر[1] | سیّد آؤ، بیٹھو اور سعادت میں حصہ لو

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاطفت اور اس دلجوئی و دلنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی، اور کتنے "آہوئے وحشی" اسیرِ دامِ محبّت ہوئے ہوں گے، اور ان کا شمار خدا کے مقبول بندوں اور شیوخِ کاملین میں ہوا ہوگا۔

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق وصفات اور صوفیۂ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالیؒ کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انھوں نے "تلاشِ حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے عمیق مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے:—

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں، اُن کی سیرت بہترین سیرت، اُن کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور اُن کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، حکماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی اُن کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، اُنکے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نورِ نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں، جس سے روشنی حاصل کیجائے"[2]

---

[1] سیر الاولیاء ص۲۰۳ [2] المنقذ من الضلال۔

باب چہارم

اذواق و کیفیات

محبّت و ذوق

حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو اُن کے تمام اخلاق و احوال و اعمال کا محور ہے وہ عشقِ الٰہی کی نعمتِ خداداد ہے، جو ان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی، محبّت کی یہ چنگاری جو ازل سے اُن کی فطرت میں ودیعت تھی شیخ کبیر کی صحبت اور طریقۂ چشتیہ کی نسبت سے شعلۂ جاں سوز بن گئی اور اُسنے مدت العمر اُن کو، اور نصف صدی سے زائد دہلی اور اسکے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشقِ الٰہی کی حرارت سے گرم اور گداز رہی، اُنکے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس، اشعار اور اُن کے انتخاب، واقعات اور اُن کی تمثیل غرض ہر چیز سے اسی سوزِ باطن اور اسی حرارتِ عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ ؎

شعلہا آخر ز ہر مویم دمید
از رگِ اندیشہ ام آتش چکید

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دم واپسیں کے واقعات بیان ہو رہے تھے، حاضرین میں سے ایک نے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام

ان کی زبان پر جاری تھا، حضرت خواجہؒ آبدیدہ ہوگئے اور یہ رباعی پڑھی۔ ؎

آئیم بسر کوئے تو پویاں پویاں ٭ رخسارہ بآب دیدہ شویاں شویاں

بیچارہ ز وصل تو جویاں جویاں ٭ جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں[1]

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آرہا ہوں خراماں خراماں، آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں، آپکے وصل کا جویا اور طالب بنکر، جان بھی دے رہا ہوں، آپ کا نام بھی لئے جا رہا ہوں)۔

اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی، کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر بار تھی

ہر چہ جز معشوق، باقی جملہ سوخت

امیر حسن علاء سنجری راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کہاں پڑ گیا؟ اس پر حضرت خواجہ ابو سعید ابو الخیر کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمال حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھ چکے تھے اور اُن کو کونے میں رکھ دیا تھا اُن کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ کرنے لگے، غیبی آواز آئی، اے ابو سعید ہمارا عہد نامہ واپس کر دے اب تو دوسری چیز میں مشغول ہو گیا، خواجہؒ جب اُس مقام پر پہنچے تو رو دیئے، اور یہ شعر پڑھا۔ ؎

تو سایۂ دشمنے کجا در گنجی

جائے کہ خیال دوست زحمت باشد[2]

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے، جہاں دوست کا خیال بھی حجاب بنے)۔

اسی "سرور عشق" کا نتیجہ یہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خورد معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے، رات کی بیداری سے آنکھیں سُرخ ہوتیں۔ امیر خسرو نے

---

[1] فوائد الفواد ص۸۰ [2] فوائد الفواد ص۹۱

یہی دیکھ کر کہا ہے :- ؎

توشبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد[1]

اور اسی حرارتِ عشق اور سُرور و مستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر روزہ رکھنے، تقلیلِ غذا، طویل شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف و ناطاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی، اسّی سال سے عُمرِ مبارک متجاوز ہونے کے باوجود چہرے پر وہی سُرخی، اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں رہی ہوگی، بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا۔[2]

سماع[3] محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا، یعنی عشقِ الٰہی کے اشعار اور عارفانہ ابیات کا سننا جس سے قلب کو اپنی آنچیں نکالنے اور آنسوؤں کے چھینٹوں سے اُس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت، اور نفی کی

---

[1] سیر الاولیاء ص۱۲۸ [2] سیر الاولیاء

[3] مسئلہ سماع (بلا مزامیر) کی موافقت مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اسمیں نقطۂ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت و طاعت و امرِ مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کیساتھ ایک تدبیر و علاج ہے اور اصحابِ ضرورت و اہلیت کیلئے بقدرِ ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید، اس سلسلہ میں مشہور چشتی شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ :-

"میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں علماء کی روایت کی بناء پر، اسلئے کہ درد دل کا مریض ہوں، اور سماع اس کی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت دے دی ہے جبکہ ازالۂ مرض کیلئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو، اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہو کہ صحت شراب کے بغیر ناممکن ہے۔ اس تقدیر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لاعلاج ہے سرود کا سُننا ہے، لہٰذا اس کا سننا ہمارے لئے مباح اور تم پر حرام ہے۔"

(سیر الاقطاب قلمی)

چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا اور تازگی حاصل کرسکے۔ مولانا رومؒ جو ایک بڑے صاحب سماع تھے، اسی لئے فرماتے ہیں ؎

پس غذائے عاشقاں آمد سماع ⁂ کہ ازو باشد خیالِ اجتماع

قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر ⁂ بلکہ صورت گردد از بانگِ صفیر

آتش عشق از نواہا گرد تیز ⁂ آں چنانکہ آتش آں جوز ریز

خود حضرت خواجہؒ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے :۔

سماع حق مریدان و معتقدان و اصحاب ریاضت است، چوں نفس وتن ہلاک شود، اورا حق ایست "ان لنفسك عليك حقا" یعنی بدرستی کہ برائے نفس برابر تو حق است، چوں زمانے از سماع بیاساید باز اورا برکارے بہ برند۔[۱]	سماع مریدین صادقین اور اہلِ عقیدت اور اصحابِ ریاضت کا کام ہے، جب طبیعت اور جسم پوری چوٹ کھا جائے تو اُن کا حق ہے (کہ سماع سے قوت و تازگی حاصل کریں) حدیث میں آتا ہے کہ "ان لنفسك عليك حقا" تمہارے اوپر تمہارے جسم کا حق ہے ۔ جب ایک مدت تک نفس سماع کے ذریعہ آرام حاصل کرلیتا ہے تو پھر اُس کو کام میں لگاتے ہیں ۔

ایک بزرگ مولانا کاشانی فرماتے ہیں :۔

اصحاب ریاضت وارباب مجاہدہ از کثرتِ معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے وملالتے در قلوب ونفوس حادث شود و قبض	اصحاب ریاضت وارباب مجاہدہ کے قلوب ونفوس احوال وکیفیات کے کثرت سے پیش آنے کی وجہ سے کبھی کبھی اکتا جاتے ہیں اور اُنکو

[۱] سیرالاولیاء ص۵۰۱

وبسطے کہ موجب فتور اعمال و قصور احوال بود طاری گردد، پس مشائخ متاخر از برائے رفع ایں عارضہ و دفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی از سماع اصوات طیبہ والحان متناسبہ واشعار واشعار مہیجہ و مشوقہ بر وجہے کہ مشروع بود نمودہ اند[1]	تکان وضعف محسوس ہونے لگتا ہے اور ان پر وہ قبض وبسط جو اعمال و احوال میں سستی اور کوتاہی کا باعث ہوتا ہے طاری ہوجاتے ہیں اس بنا پر مشائخ متاخرین نے اچھی آوازوں متناسب نغموں اور شوق انگیز اشعار کے سننے کو اس طرح پر کہ حدودِ شرع سے باہر نہ ہوں ایک علاجِ روحانی کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ، اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ تھی کہ اُس سے حضوری کی ایک کیفیت درد کی لذّت اور ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے، اور یہ لمحات بقیہ اوقات کو بھی اپنے دامن میں لیکر پاک اور نورانی بنا دیتے ہیں ارشاد ہوا کہ:۔

مردم را ہمہ روز حضور کجا میسّر شود اگر در روزے وقتے خوش دریافت ہمہ اوقات متفرقہ آں روز در پناہ آں وقت باشد واگر در جمعے صاحب ذوقے و صاحب نعمتے باشد، جملہ اشخاص درپناہ آں شخص باشد[2]	فرمایا، آدمی کو ہر روز حضوری کہاں میسّر آتی ہے اگر کسی دن کوئی وقت اچھا ہاتھ آجائے تو اُس دن کے تمام متفرق اوقات، اُس وقت کی پناہ میں ہوتے ہیں، دیکھو اگر کسی مجمع میں ایک صاحبِ ذوق اور صاحبِ نعمت ہوتا ہے تمام حاضرین اُس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع، حضرت خواجہ اور اُن مشائخ کی (جو اسی کیفیت کے حامل اور آتشِ محبت سے جل رہے ہوں)

---

[1] مصباح الہدایت ص۱۸۱ و ص۱۸۲

[2] سیر الاولیاء ص۵۲۳

طبعی کیفیت کا نتیجہ، تسکین کا سامان، قوت و غذا اور رقت و حضوری کا ذریعہ تھا جس کو وہ حضرات علاجاً اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج اور ضرورت کے بقدر ہی اُس سے کام لیتے تھے، نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا شغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلافِ شرع منکرات و بدعات اور اسباب لہو و لعب سے جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہلِ ہوا نے یا خام کار صوفیوں نے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو اُن سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اِس طرح بیان فرمائے :۔

آپ نے فرمایا :۔

"سماع کی چار قسمیں ہیں :۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ وجد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہے تو سماع مباح ہے، اور اگر محبوبِ مجازی کی طرف زیادہ ہے تو مکروہ ہے، اگر محبوبِ مجازی کی طرف میلانِ کلّی ہے تو حرام ہے، اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلانِ کلّی ہے تو حلال ہے، پس جس کو سماع کا ذوق ہے اُس کو چاہیئے کہ وہ اِن چاروں درجوں کو جانتا ہو۔"

نیز ارشاد فرمایا کہ :۔

"سماعِ مباح کیلئے چند چیزیں چاہئیں :۔ مسمع (سُنانیوالا) مستمع (سُننے والا) مسموع (جو کچھ پڑھا جا رہا ہے) آلۂ سماع (ذریعہ) مسمع کیلئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔ مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سُن رہا ہے وہ یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع کیلئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو۔ آلۂ سماع سے مُراد مزامیر ہے جیسے چنگ و رباب کہ یہ درمیان میں

نہ ہو"[1]

مزامیر سے نفرت و ممانعت

حضرت خواجہؒ مزامیر (آلاتِ غنا اور باجہ وغیرہ) سے سختی سے منع فرماتے تھے، اور جب کبھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے، اور اس بارے میں کسی عذر کو قبول نہ فرماتے۔ سیر الاولیاء میں ہے :۔

"مجلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی مجلس میں، جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا :۔ اچھا نہیں کیا، جو خلافِ شرع ہے وہ ناپسندیدہ ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے اُن سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا، اُس مجلس میں مزامیر تھے، آپ نے سماع کس طرح سُنا اور رقص کیا؟۔ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے سُنکر فرمایا کہ :۔
یہ جواب بھی کچھ نہیں یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جاسکتی ہے"[2]

حضرت خواجہؒ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ :۔

"جب عورت کو نماز میں امام کو غلطی پر متنبہ کرنے کیلئے دستک دیتے وقت اسکی ممانعت ہے کہ ہتھیلی پر ہتھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ لہو ہے، جب لہو ولعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریقِ اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہئے"[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص۴۹۱ و ص۴۹۲ [2] ایضاً ص۵۲۰ و ص۵۲۱ [3] ایضاً ص۵۲۲

سماع میں آپ کی کیفیت

حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ: جس شخص کو اللہ نے درد و ذوق عطا فرمایا ہے اُس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعر سُنکر رقت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جسے عالم ذوق کی خبر نہیں اُسکے سامنے پڑھنے والے کتنے ہی پڑھیں اور کیسے ہی مزامیر کیوں نہ ہوں اُس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اِسلئے کہ وہ اہلِ درد میں سے نہیں ہے' اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزامیر وغیرہ سے[1]۔

چنانچہ حضرت خواجہؒ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سُنتے ہی آپ پر سخت رقت طاری ہوتی' لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدام رومال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے، یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہے[2]۔

امیر خورد (جو خود بھی اپنی کمسنی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور چچا سے ان پُرکیف مجلسوں اور ان وجد انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے) کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی، یکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی عاشقانہ شعر پڑھ دیتا اور مجلس مکیّف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیر بک نے ایک مجلس آراستہ کی' مشائخ و صدور شہر کا اجتماع تھا سماع شروع ہوا' کہنے والے بہت کچھ سُناتے رہے کچھ اثر نہیں ہوا' آخر حسن بہدی قوال نے یہ شعر پڑھا۔

در کلبۂ درویشی در محنت بیخویشی
بگذار مرا با من ہر سوئے مکن افسانہ

اِس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اُس کیفیت کا تمام حاضرین مجلس پر اثر ہوا' اور سب مکیّف ہوئے[3]۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۲۳ [2] ایضاً ص ۵۱۶ [3] ایضاً ص ۵۱۵

ایک دوسری مجلس کا ذکر ہے، بالاخانہ پر مجلس ہو رہی تھی، امیر خسرو کھڑے تھے اور سلطان المشائخ ناسازیِ طبع کی وجہ سے چارپائی پر تشریف رکھتے تھے حسن سجزی نے سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا۔ ؎

سعدی تو کیستی کہ درآئی دریں کمند

چنداں فتادہ اند کہ ما صید لاغریم

حضرت خواجہؒ پر گریہ طاری ہوا، اور اس میں ڈوب گئے۔ خواجہ اقبال رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پونچھ کر حسن سجزی کی طرف اُن کو بڑھاتے تھے، کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا، امیر حاجی فرزند امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی، جس کا ایک شعر یہ تھا۔ ؎

خسرو تو کیستی کہ درآئی دریں شمار

کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

حضرت خواجہؒ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا۔[1]

ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا۔ ؎

رخ جملہ را نمود مرا گفت تو ببیں

زیں ذوق مست بنجرم کیں سخن چہ بود

آپ نے گوشۂ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا، اور کیفیت طاری ہوئی۔[2]

عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آتا تھا، دہلی کی مجلسوں اور شہر کی گلیوں میں عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اُس سے لطف لیتے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے۔[3] سلطان علاء الدین نے بھی اہلِ دربار اور حضرت خواجہؒ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ: "جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آئے اُس کو

---

[1] سیر الاولیاء ص۵۱۵ [2] ایضاً ص۵۱۶ [3] ایضاً ص۵۱۵

گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا اسکے بعد زیادہ دن نہیں گذرے کہ حضرتؒ نے انتقال کیا۔[1]

جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی

ضعف و پیری اور شدید مجاہدات کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بیحد اہتمام تھا۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں :-

"عمر شریف اسّی سے متجاوز ہوگئی، جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز پڑھنے کے لئے بالاخانہ سے (جو بہت بلند تھا) جماعت خانہ میں اتر کران درویشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کیساتھ نماز ادا کرتے تھے، اِس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے، کم افطار کرتے۔"[2]

شریعت کی پابندی اور اتباع سنّت کا اہتمام

حضرت خواجہؒ خود بھی اتباعِ سنّت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے کہ بقول سعدیؒ

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفٰےؐ

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات و آداب تک فوت نہ ہوں۔

سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے :-

استقامت می باید کہ بر متابعت رسول علیہ السّلام والصّلوٰۃ باشد۔ و ہیچ مستحبے و آدابے فوت نہ شود۔[3]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی و اتباع پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانی چاہئے اور کوئی مستحب ور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

---

[1] فوائد الفواد ص۹۶
[2] سیر الاولیاء ص۱۲۵
[3] سیر الاولیاء ص۳۱۵

مشائخ کے لئے اور جس کو پیری مریدی کرنا ہو شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے، تاکہ اس سے کوئی عمل خلافِ شریعت نہ صادر ہو، نہ دوسرے کو کسی خلافِ شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں :-

پیرآں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید۔[۱]

پیر ایسا چاہیے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا ضروری علم رکھتا ہو اور جب ایسا ہو گا تو وہ کسی خلافِ شرع کام کیلئے نہ کہے گا۔

---

[۱] فوائد الفواد ص۱۴۵

علمی پایہ

حضرت خواجہؒ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے، اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا، اُن کے اساتذہ میں اُس عہد کے نامور ترین فضلاء اور شیوخ ہیں ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد ماریکلی سے لیا، جو صاحب مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصغانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت شیخ فریدالدین گنج شکرؒ سے پڑھ کر علم میں مزید جلاء حاصل کی۔

علمی و ادبی مناسبت

اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق و احوال اور "اسم" سے زیادہ "مسمی" میں مشغولیت بڑھتی گئی، پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیا میں ہے کہ مولانا رکن الدین چپرنے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں[1]۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمود جاراللہ

[1] سیر الاولیاء، ص ۳۱۵

زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں۔ پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں اس سے بھی آپکے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیرالاولیاء میں ہے کہ سید خاموش ابن سید محمد کرمانی مجلس خلوت میں "خمسۂ نظامی" حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پڑھتے تھے[1] آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے صف اول کے شعراء میں ہیں) کو شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیرالاولیاء میں ہے کہ ابتدا میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اُس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بغرض اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے اُن سے فرمایا کہ صفاہانیوں کے طرز میں کہا کرو[2]

حدیث و فقہ پر نظر

سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں مسئلہ سماع پر جو مجلس مناظرہ ہوئی تھی اُس میں حضرت خواجہؒ نے مسئلہ پر جو تقریر اور اس کی تنقیح فرمائی، اُس سے بھی حضرتؒ کے علمی مرتبہ اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرمایۂ علمی اور فن حدیث کا منتہیٰ سمجھی جاتی تھی[3] بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظاتِ مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقدِ حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے (جو زبان زد خلائق ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے۔ "التحی حبیب اللہ

---

[1] سیرالاولیاء صفحہ ۲۱۹
[2] سیرالاولیاء صفحہ ۳۰۱
[3] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا باب حدیث۔

وان کان کافرًا" فرمایا: کسی کا مقولہ ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ :۔ یہ اربعین (چہل حدیث) کی حدیث ہے۔ فرمایا :۔ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے[1]

اہمیتِ علم اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی، اور اس کو سالکین اور اُن لوگوں کے لئے جو ارشاد و تربیت کا کام کریں آپ بہت ضروری سمجھتے تھے۔

---

[1] فوائد الفواد ص۱۰۱

اس موقع پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ صحیحین کے مرتبے سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان سے علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا۔ خود آپ نے بھی (اگر مجلس مناظرہ کی روئداد صحیح ہے) مجلس مناظرہ میں جن حدیثوں کو حلت سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں، اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے۔ فریق مقابل کے علماء نے بھی، جو اکابر علماء اور اعیانِ قضاۃ میں سے تھے، جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے اُس سے علم حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اسکے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہئے اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے خانقاہوں میں بہت سی ایسی رسوم، یہاں تک کہ سجدۂ تعظیمی رائج تھیں، اور بہت سے ایسے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا بڑی آب و تاب سے ذکر آتا ہے جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں، اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں۔ اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرات محدثین اور اُن مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنھوں نے ہندوستان میں فن حدیث کی اشاعت کی، اور صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔

شکر اللہ مساعیہم

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سر حلقہ ہیں۔ لکھنوتی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے، حضرت خواجہؒ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زرادی سے فرمایا کہ: "یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے، اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہوتا۔" یہ بات سنکر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ:۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھ کر ضروری مسائل یاد کرادوں۔ فرمایا کہ: "یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے" مولانا فخر الدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصۂ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی۔ حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کیلئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے رہے پھر وطن واپس آگئے اور مشرق و بنگال میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے۔[۱]

بلند علوم و مضامین

علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بناء پر آپ کو اُن بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف سے حصّہ وافر ملا، جو اولیاء کاملین اور مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے، اور جو صفائے باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا لازمی نتیجہ ہے، اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا آپ اپنے نور باطن سے اُن کا جواب شافی عطا فرماتے۔ ~~~

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اُس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں رہ جاتے، اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں، یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں، اسی بناء پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہل تصوف کے مخالف مشہور تھے، حضرت خواجہؒ کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں

---

[۱] سیر العارفین وغیرہ۔ ۱۲

شامل ہو گئے[۱]

علومِ صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباعِ سنّت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنادیا تھا کہ اہلِ تصوف میں جو باتیں عرصۂ دراز سے ظاہرِ شریعت کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت جگہ اہلِ تصوف کا شعار بن گئی تھیں، آپ اپنی سلامتیٔ ذہن سے اُن کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق اُن کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہورہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسویٰ اللہ سے انقطاع سے اور نبوت میں (دعوت و تبلیغ کی وجہ سے) مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے، پھر اس میں اور کئی مذہب پیدا ہوگئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے، لیکن آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے ـــــ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ:- یہ مذہب باطل ہے، اس سبب سے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے۔[۲]

حلال مانعِ راہِ خدا نہیں

تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف تعطّل اور بیکاری و بے عملی کا نام ہے، اور ہر اشتغال وصول الی اللہ سے مانع اور

---

[۱] سیر الاولیاء صفحہ ۱۲۹

[۲] فوائد الفواد صفحہ ۱۲ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تمام یہ اضافہ کیا کہ انبیاء عین مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے (جس وقت جب وہ حق کیساتھ مشغول ہوتے ہیں) زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں، انکی مشغولیت بخلق چونکہ حکم الٰہی سے ہوتی ہے اسلئے وہ عین مشغولیت بحق اور امرِ الٰہی کا امتثال ہوتا ہے۔ ۱۲

راہِ سلوک کا رہزن ہے۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اُس کا مقتضایہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعۂ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات "جوامع الکلم" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا:۔

ہیچ کسے (چیزے) کہ حلال است مانع راہ خدائی نیست و قاطع سلوک نیست و گرنہ مشروع و حلال نبودی[1]	کوئی چیز جو حلال ہے راہِ خدا کی مانع اور قاطع سلوک نہیں ورنہ مشروع و حلال نہ ہوتی۔

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس چاہیے، اُس کے بعد جس کام میں[2] رہنا ہو رہو، تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا[3]۔

ترک دنیا کی حقیقت

ترکِ دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ترکِ دنیا آن نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہا بندد و بنشیند، ترک دنیا آن است کہ لباس بپوشد وطعام بخورد وانچہ می رسد روا بدارد	ترک دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی اپنے کو ننگا کر دے مثلاً لنگوٹہ باندھ کر بیٹھ جائے، صحیح معنی میں ترک دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے کھانا کھائے اور جو کچھ میسر آئے اُس کو استعمال

---

[1] جوامع الکلم صفحہ ۱۶۱

[2] یعنی مشروع وجوہ معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔۱۲

[3] سیر الاولیاء صفحہ ۵۱۱

وجمع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد ترک دنیا است[1]۔

کرے، لیکن اُسکے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسائے نہیں یہی ترک دنیا ہے۔

طاعت لازم و متعدی

فرمایا:۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعتِ لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے، جیسے نماز، روزہ، حج، اوراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرا دینا، شفقت، دوسرے کے ساتھ مہربانی وغیرہ، اس کو طاعتِ متعدی کہتے ہیں، اور اس کا ثواب بیحد و بے اندازہ ہے۔

طاعتِ لازمی کی قبولیت کیلئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے، اور طاعتِ متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا[2]۔

کشف و کرامات حجابِ راہ

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ اُن کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ وہ اصحابِ سکر ہیں، اسکے برخلاف انبیاء اصحابِ صحو ہیں۔ ایک کیلئے کشف و کرامات حجابِ راہ ہیں، محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے[3]۔

علوم انبیاءؑ و اولیاءؒ

فرمایا کہ:۔ تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طورِ حس کہنا چاہیے، دوسرا طورِ عقل، اور تیسرا طورِ قدس۔ طورِ حس میں مطعومات (کھانے پینے کی چیزیں) مشمومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں، اسکے بعد طورِ عقل ہے اس کا تعلق دو علموں سے ہے کسبی اور بدیہی، لیکن عالمِ قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدیہی بھی عالمِ قدس نہیں ہے کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ جس پر عالمِ قدس کا دروازہ کھلتا ہے

---

[1] فوائد الفواد ص۔ [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۴۱ [3] فوائد الفواد ج ۱ ص ۲۳

اس کی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص عالم عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ غیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گذرتے ہیں انشاء اللہ اُن کو قلم بند کروں گا، اسکے بعد بہت کچھ لکھا۔ پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکا[1]۔

دنیا کی محبت اور عداوت

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ:- تین طرح کے لوگ ہیں، کچھ لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اُس کی یاد اور فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اور ہمیشہ اس کی دشمنی میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت، اور وہ اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے، یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ:- ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت کرنے لگا، حضرت رابعہ بصریؒ نے اُس سے کہا کہ:- برائے مہربانی اب اسکے بعد نہ آیئے گا، آپ کو دنیا کی محبت معلوم ہوتی ہے، اسلئے کہ آپ اُس کا بہت ذکر کرتے ہیں[2]۔

مراتب تلاوت قرآن

ایک مرتبہ آپ نے تلاوت قرآن کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ:- پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اسکے معانی دل پر گذرا کرے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھتے وقت اللہ کی عظمت و جلال کو دل پر طاری کرے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہیے کہ میں اس نعمت کے لائق کہاں تھا،

---

[1] فوائد الفواد ج ۱ ص ۱۹۹ [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۸۹

اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے، اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اُس کو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے۔[1]

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی[2] لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلفائے کبار اور اصحابِ نامدار ہیں جو عمل صحیح اور علم صحیح کا نمونہ تھے، اور جن کے دل کی راستی، علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی "راسخین فی العلم" کے شایانِ شان تھی۔ امیر حسن علاء سنجری کی فوائد الفواد اور امیر خورد کی سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔

---

[1] فوائد الفواد ص۱

[2] فوائد الفواد ص۳۵ و خیر المجالس ص۳۵

تجدید ایمان و توبۂ عام

قبل اسکے کہ اُن فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور اُن کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے، اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی نئی دینی اور رُوحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنیوالے نے محسوس کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کردی جائے، تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقہ کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے۔ راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصۂ اوّل میں حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:-

"خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی

اور رُوحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ
مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داری و پابندیوں
شعور و احساسِ ذمہ داری کے ساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات
اور دینی جذبات پیدا ہوں، اُسکے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو،
اور اُسکے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر
اعتماد ہو اور اُس سے وہ اپنے امراضِ رُوحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی
اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا
یہ اصلی فرض تھا (اسلئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیّدنا عمرؓ
بن العزیزؒ وہ ہدایت کیلئے مبعوث ہوا تھا "جبایت" "تحصیل وصول" کیلئے
نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں
اور عمّالِ حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضر اور اس کے
راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان تو ہّم پرست اور شکّی واقع
ہوئی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پائیں
برداشت نہیں کر سکتی تھیں، اس کو وہ فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں
نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کیلئے اسکے
علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر
ایمان و عمل اور اتباعِ شریعت کیلئے بیعت لے، اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی
سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائبِ پیغمبر
اُن کی دینی نگرانی و تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت

اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیٔ محبت، خلوص وللہیت، جذبۂ اتباعِ سنت اور شوقِ آخرت پیدا کردے، اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور اُن کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہو گیا ہے، پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب و اخلاص اور اُن کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اُس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے، اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان تک پہنچا دیا ہے۔"[1]

بیعت ایک عہد و معاہدہ

بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کیلئے اُس سے کیا عہد لیتے تھے کسی تذکرہ میں اُس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گذرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کے بیعت لینے کا طریقہ اور اُن کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا اُس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔

---

[1] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اوّل ص۲۰۲

ارشاد ہے:۔

"جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو، اسکے بعد سورۂ بقر کا آخری رکوع آمن الرسول سے آخر تک پڑھتے، اسکے بعد شهد الله انه لا اله الا هو...... ان الدين عند الله الاسلام تک پڑھتے، اسکے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر، اسکے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر، اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر، اور حضرت عزت (جل مجدہ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروگے اور شریعت کے راستہ اور طریقے پر قائم رہوگے"[1]

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے، سمع وطاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا، یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابلِ قبول دین صرف دینِ اسلام ہے، اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کر دیا گیا کہ یہ بیعت درحقیقت دست مبارک نبوی پر ہے، اور شیخ کا ہاتھ اس دست مبارک کا قائم مقام ہو۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہ شریعت پر قائم رہا جائے گا، تجدید ایمان اور خدا اور رسول سے، اپنا پرانا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی، اور ہزاروں اور لاکھوں بندگانِ خدا کیلئے یہ تجدید ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی۔

[1] سیر الاولیا ص ۳۴۳

عمومِ بیعت کی حکمت

بیعت وارشاد میں ان حضرات نے جو وسعت واذنِ عام فرما رکھا تھا اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوجائیں، خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت ورعایت تھی، اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہوسکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور جاں نواز باتیں سنتا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے، سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی وعنایت سے اس کا اذنِ عام دے دیا ہے اور آپ عام وخاص سب کو مرید کرلیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں، سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہوگئے، فرمایا:-

> "مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کرلیتا ہوں"

یہ سنکر مجھ پر لرزہ سا طاری ہوگیا اور میں نے آپ کے قدم لیکر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اشکال تھا آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا، اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ حضرت نے فرمایا:-

> "حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ ورسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں، اور ان کے مزاج وطبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع واخلاق سے میل نہیں کھاتے، تھوڑے

لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں، اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے، جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کیساتھ درج ہے۔ مشائخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابو سعید ابو الخیر کے عہد سے لیکر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانہ تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لیکر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سر آمد روزگار اور آیۃ من آیات اللہ تھے، خلق خدا کا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا، اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اژدحام کیا۔ ان بندگان خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقان خدا کا دامن تھامنا چاہا، اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا، اور خرقۂ توبہ و تبرک عطا کیا، ہر شخص ان محبوبان خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کرسکتا کہ شیخ ابو سعید، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا، میں بھی مرید کروں، اسلئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگار عالم میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے — اب میں تمہارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا، ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاع کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ، جو خرقۂ ارادت کی جگہ پر ہے، نہ دوں

تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آرہی ہے محروم ہو جائیں گے۔
دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اسکے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اسکی درخواست اور
التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے
بیعت لینے کی اجازت دی ہیں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی
مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے
توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اُس کو بیعت کر لیتا ہوں، خاص
طور پر اسلئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنیوالے
اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں[1]۔"

عمومی زندگی پر اثر

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے، عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات، اور اہلِ حکومت سے لیکر اہلِ حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا، اور دار الحکومت دہلی میں جو شوکت، قوت، دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا، اور سارے ہندوستان کا مالِ غنیمت اور سیکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیلِ رواں کی طرح وہاں اُمنڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشقِ الٰہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ، صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہو گئی تھی اس کی تفصیل اُس عہد کے صاحبِ نظر اور معتبر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سُنئے۔ وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں[2]:۔

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۳۴۶ و ۳۴۵ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی ۱۲۔

[2] تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم اے (رفیق دار المصنفین) کی کتاب "بزم صوفیہ" سے حذف و اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ص ۲۰۱

"سلطان علاءالدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین شیخ الاسلام علاءالدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا، ایک دنیا اُن کے انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے اُن کی بیعت کا ہاتھ پکڑا، اور اُن کی مدد سے گناہگاروں نے توبہ کی، اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاری سے ہاتھ اٹھالیا، اور ہمیشہ کیلئے پابند نماز ہوگئے، اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی، اور توبہ صحیح ہوگئی، اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہوگیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں کے فوائد اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہوگئی، اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے معاملات میں سچائی پیدا ہوگئی، اور ان کے مکارم اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی، اور ان دینی بادشاہوں کی محبت اور اخلاق کے اثر سے خداوند تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی، اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہوگئے، اور ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے، اور ان کی مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا ایسا فرو ہوا اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ و تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ تباہ نہیں ہوسکتے تھے اور یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں، اور احکام شریعت و طریقت کو جو رونق و رواج حاصل ہوا اُس کا کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو

سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک طرف سلطان علاء الدین نے ملک کی بہتری کے لئے تمام منشّی اور ممنوع چیزوں کو، اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا، اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں بخیلوں اور تاجروں کیلئے سود ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکوں کیلئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسلمندی پیدا کرنے والا ہے، اور عبادت گزاروں کیلئے نسیان و فراموشی کا باعث ہو، سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اس کو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا، اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہو، سچائی اختیار کرنے سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کیلئے خون خرابہ میں رکھتا تھا ــــــــــ

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے، اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے، اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی تھی، تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے، اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد و عورت،

بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے،
اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے، آزاد اور نیک کام کرنیوالوں نے
شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈال دیئے تھے
کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے
چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم
مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک
آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کیلئے کوئی تردد نہ ہو، اور چبوترہ
اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ
لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان، چاشت، اشراق،
اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعاتِ نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل
میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ
اور کون سی آیت پڑھتے ہیں۔ .. .. پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے
فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آئی ہیں۔ اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم
مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں
کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں، اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشا کی نماز کے بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں، اور شیخ فریدؒ، اور شیخ بختیارؒ
رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے، اور کتنی بار سورۂ اخلاص پڑھتے تھے، نئے مرید
شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل، اور
تقلیلِ طعام کے متعلق پوچھتے تھے ـــــ اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو

حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہوگیا تھا نئے مرید شیخ کے پُرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پُرانے مریدوں کو طاعت، عبادت، ترکِ تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے، مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیا داروں کا ذکر اُن کی زبان پر نہیں آتا تھا کسی دنیا دار کے گھر کی طرف اپنا رُخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہلِ دنیا کے میل جول کی حکایت نہیں سُنتے تھے، اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے ــــــــ کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے، اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے، اور کوئی محلّہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحاء کا اجتماع نہیں ہوتا تھا، اور صوفیوں کی محفلِ سماع نہیں ہوتی تھی، اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے۔ شیخ کے چند مرید تراویح کی نماز میں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ، اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گذارتے بعض عبادت گذار عشاء کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے۔ شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیضِ نظر سے صاحبِ کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مُبارک وجود، اُن کے انفاس کی برکت، انکی مقبول دُعاؤں کی وجہ سے اس مُلک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوّف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف

راغب ہو گئے تھے ——— سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کیساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اُٹھ گیا تھا، اکثر طالب علموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے، تصوف اور احکام طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہو گئی تھی۔ قوت القلوب، احیاء العلوم، ترجمہ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد میر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے۔ زیادہ تر لوگ کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے۔ کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔[1]"

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۶ و ص ۳۴۷

عشق کا "روز بازار"

توبہ، تجدیدِ ایمان اور اصلاحِ حال کے اس عام ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دہلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایوانِ شاہی و "بامِ ہزار ستون" تک اس کی لہریں پہنچی تھیں، ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی نخوت اور قلبی افسردگی کی اس دنیا میں جہاں نائے و نوش اور "بعیش کوش" کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوئی تھی، جذبۂ الٰہی کی ایک ہوا چلنے لگی اور عشق کا سودا عام ہو گیا، ہر جگہ درد و محبت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور عارفانہ و عاشقانہ اشعار کی گونج تھی۔ امیر خورد مصنف سیر الاولیاء نے خوب لکھا ہے:۔

کار محبت و عشق را روز بازارے در جہاں پیدا آمدے۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ و خلق را دراں زماں راحت جز حکایت سماع و اخلاص و نیاز مندی و شفقت و لینت و دل دریافتن و سر در زیر پائے اہلِ دلان نہادن کارے دیگر نہ بود[1]	محبت و عشق کے کاروبار کا زمانہ میں ایک بازار لگ گیا، لوگوں کو سماع کی حکایات کے سننے، اخلاص و نیاز مندی، شفقت و نرمی، دلجوئی اور اہلِ دل کے قدموں پہ سر رکھ دینے کے علاوہ کسی اور بات سے راحت نہیں حاصل ہوتی تھی۔

خلفاء کی تربیت

اس سلسلۂ ارشاد و تربیت اور طریقۂ عشق و محبت کو ہندوستان میں دور دور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے عالی استعداد، سراپا اخلاص، خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا، اُن میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں، ان سے مجاہدات کرائے، اُن کے قلوب کی نگرانی کی، ان میں جو اعلیٰ استعداد رکھتے تھے لیکن زیورِ علم سے عاری تھے، ان کی تعلیم و تکمیل کا بندوبست کیا، ان میں سے جن کے

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۵۰

دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا، اُن کی اصلاح فرمائی، جو خلق خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے، لیکن انھیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا ذوق تھا، اُن کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور "خلق خدا کی جفا و قفا" کو برداشت کرنے پر مجبور کیا، اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیشِ نظر تھا، اور اپنے خواص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا، اس میں جو چیز حارج اور مزاحم نظر آئی، آپ نے اُس کو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں، اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا، لیکن سلطان المشائخ کے فیضِ صحبت سے یادِ حق میں مشغول تھا، مگر جس کام میں عمر گزاری تھی اُس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا، مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ پر یادِ الٰہی کی ایسی کچھ تجلّی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمّت نہیں ہوتی تھی، مولانا جلال الدّین کو کچھ جرأت تھی، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو احباب کسی وقت بحث کر لیا کریں؟ سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور مولانا جلال الدّین اُن کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ: میں کیا کروں، مجھے ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے[۱]۔

مولانا سیّد نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہ کے خلیفۂ اعظم اور اوّل جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے اُن کا نام تمام دنیا میں روشن ہے، اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کہیں کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے، خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے، اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۳۰۶

رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔ امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا:۔

اورا بگو ترا درمیان خلق می باید بود	اُن سے کہہ دو کہ تم کو مخلوق ہی کے درمیان رہنا
وجفا و قفائے خلق می باید کشید و مکافات	ہوگا، اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت
آں ببذل وایثار وعطامی باید کرد[1]	کرنا ہوگا، اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ:۔ اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں، اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا[2] ارشاد ہوا کہ تمہیں شہر ہی میں رہو، اور ایک عام آدمی کی طرح رہو سہو، نفس چاہتا ہے کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لے جائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمھیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو، جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کرو گے تو پردیسی اور شہری تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے، اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا، اس کے علاوہ کنویں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے۔

چشتی خانقاہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے، جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے:۔

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰ
(۲) شیخ نصیر الدین محمود
(۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی
(۴) شیخ حسام الدین ملتانی
(۵) مولانا فخر الدین زرادی
(۶) مولانا علاء الدین نیلی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۳۶

[2] پانی بھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کے خیال سے۔

(۷) مولانا برہان الدین غریب
(۸) مولانا یوسف چندیری
(۹) مولانا سراج الدین اخی سراج
(۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین با اختصاص

(۱) خواجہ ابوبکر
(۲) مولانا محی الدین کاشانی
(۳) مولانا وجیہ الدین پائلی
(۴) مولانا فخر الدین مروزی
(۵) مولانا فصیح الدین
(۶) امیر خسرو
(۷) مولانا جلال الدین
(۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی
(۹) امیر حسن علا سنجری
(۱۰) قاضی شرف الدین
(۱۱) مولانا بہاء الدین ادہمی
(۱۲) شیخ مبارک گوپاموی
(۱۳) خواجہ موید الدین کردی
(۱۴) خواجہ تاج الدین داوری
(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی
(۱۶) خواجہ موید الدین انصاری
(۱۷) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ
(۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی
(۱۹) خواجہ سالار
(۲۱) مولانا فخر الدین میرٹھی

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافت خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے، انھوں نے نہایت نامساعد حالات، اور سخت سیاسی طوفانوں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقول شاعر ؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے ٭ وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اُس میں حضرت سیّد نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا[1] پورے بتیس سال تک انھوں نے سلسلۂ چشتیہ کا مرکزی نظام دارالحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کیساتھ چلایا، پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے مُعطّر کر دیا یعنی حضرت سیّد محمّد گیسو درازؒ مدفون گلبرگہ[2] (م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کہا ہے۔ ؎

ہر کو مرید سیّد گیسو دراز شد

واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

حضرت سیّد نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵۶ھ) تھے، جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا، اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی، اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر روزگار گزرے جنھوں نے عشقِ الٰہی کا بازار گرم رکھا، اور لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں محبّتِ الٰہی اور خدا طلبی کی آگ بھر دی[3]۔

حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبد المقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ——— ان میں ہر ایک شیخ وقت اور مرجع خلائق تھا۔

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی، از سراج عفیف۔

[2] حضرت خواجہ سیّد محمّد گیسو درازؒ کے حالات و کمالات کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[3] ان بزرگوں کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ مشائخ چشت" از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کی مسند ارشاد پر یکے بعد دیگرے دو شیخ اجل حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلیؒ متمکن ہوئے، ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور، مانک پور، سلون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں، جنھوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی، اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں بہ جائے گا، اور متاع درد جس کشتی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی لیکن ان سوختہ سامانوں اور سوختہ دلوں نے اس متاع کی حفاظت کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سلگتی رہی، ان میں سے ہر خانقاہ اور اسکے دینی و اصلاحی کارناموں کیلئے، ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحق پنڈوی[1]، حضرت نور قطب عالم پنڈوی[2]،

---

[1] شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی کا اصل نام عمر ہے، آپکے والد اسعد لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے۔ شیخ علاء الحق حضرت محبوب الٰہی کے مشہور خلیفہ مولانا سراج الدین عثمان اودی معروف بہ اخی سراج (م ۷۵۸ھ) کے خلیفہ اور پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں، ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

[2] نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے، اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و محبوبیت عطا فرمائی، آپکے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی چشتی خانقاہ تھی۔ مجاہدات، خدمت خلق اور بے نفسی و خوشکنی اور علوم و حقائق میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ خلفاء میں حضرت شیخ حسام الدین حسام الحق مانکپوری (م ۸۵۳ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی ذات سے بہار و اودھ میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ۸۱۸ھ میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء" "انیس الغرباء" اور "مکاتیب کا مجموعہ" یادگار ہے۔ ملفوظات و مکتوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۳)

دکن میں شیخ برہان الدین غریب اُن کے خلفا میں شیخ زین الدین، شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری فتنی ہیں ان کے خلیفہ قطب عالم عبد اللہ بن محمود بن الحسین (م ۸۵۷) اور اُن کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم گجراتی نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

مالوہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا مغیث الدین وغیرہ، اودھ میں حضرت شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی خیرآبادی، شیخ عبد الصمد عرف صفی الدین صفی پوری، شیخ حسام الحق مانک پوری، شیخ عبد الکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ سب سلسلۂ نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں جنھوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا، ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جا بجا ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں، جن کے مشائخ کبار اور بانیانِ سلسلہ کو سلسلۂ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبت خاص اور اجازتِ عام حاصل تھی اور وہ چشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے، ان میں سے جونپور کی خانقاہ رشیدی اور پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحلیم حسینی مانکپوری سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی۔ خانقاہ مجیبی کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی (م ۱۱۹۱ھ) کو سلسلۂ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور حضرت شاہ معین الدین کرجوی کے واسطہ سے پہونچا ہے، شاہ معین الدین کرجوی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات سلسلۂ نظامیہ وصابریہ اور ان کی خصوصیتوں اور برکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلۂ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی، جن کو حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلۂ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت درویش کو شیخ

طریقوں سے سلسلۂ نظامیہ پہونچا تھا۔[1]

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ج ۲ (ص۱۲۹)۔

بابِ ہفتم

حضرت خواجہؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات

آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخؒ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے امراءِ دربار اور ارکانِ سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ موید الدین تھے، اُن کو حضرت خواجہؒ سے تعلق پیدا ہوگیا، اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت "سرکار دربار" سے اُچاٹ ہوگئی، اور وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان اُن کا بڑا قدرداں تھا، اور اُن کی ضرورت محسوس کرتا تھا، اُس نے ایک حاجب... ...کے ذریعہ حضرت خواجہؒ سے شکایت کی اور کہا کہ: حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ: ۔ اپنا جیسا کیا، اپنے سے بہتر۔[1]

حضرت خواجہؒ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی، بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ، سلاطین وقت

[1] سیر الاولیاء (ص۳۱۶)

کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی، اور یہ خدا کے نام اور مردانِ خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا اُس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا اور جو دل طمع دنیا سے آزاد ہوجائے گا اُس پر کسی کا رعب اور اُس کو کسی سے ہراس نہیں ہوسکتا۔ جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہوگیا، وہ سلاطین عالم کے کرّ و فر، اُن کے درباروں کے تزک و احتشام اور اُن کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور "نگاہ روبرو" اور "دورباش" کو بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا، اور جاہ و جلال کی کسی نمائش کے موقع پر کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوّف کا خاصّہ اور مردانِ خدا اور درویشانِ کامل کا شیوہ ہے۔ ؎

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ ٭ ہو جس کی فقیری میں بُوئے اسد اللّٰہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ٭ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت خواجہؒ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس "اسد اللّٰہی" اور اس حق گوئی و بیباکی کے ایسے نمونے پیش کیے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطینِ وقت سے بے رعبی اور حق گوئی کے نمونے

سُلطان محمد تغلق کے شوکت و جبروت سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گزر ہوا، وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر کسی مقام میں خیمۂ شاہی و خرگاہ نصب ہوا، سلطان نے مخلص الملک نظام الدین ندرباری کو جو اپنے ظلم و قساوت میں اُس زمانہ میں مشہور تھا ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا، وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منور (نبیرہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ) کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں، کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اُس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی، اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کیلئے حاضر نہیں ہوئے

بادشاہ کو یہ سُنکر غصہ آیا، اُسی وقت حسن سر برہنہ کو جو ایک بڑا مغرور وجاہ پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا، حسن سر برہنہ جب مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ پا شیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا حسن نے جاکر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اُس نے کہا مجھے فرمانِ سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہرحال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمد للہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رُخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، یہ کہا اور مصلّٰی کاندھے پر ڈالا، لاٹھی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہوگئے۔ حسن نے سواری کے لئے عرض کیا۔ فرمایا: نہیں، مجھ میں قوت ہے، میں پیدل چل سکتا ہوں۔ جب ہانسی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی۔ سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں۔ دہلی پہنچ کر دربارِ شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اُس زمانہ میں نائب باربک تھے، کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں، بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں، اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوانِ شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امراء و ملوک اور نقیب و چاؤش دو رویہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہانسی سے ہمرکاب آئے تھے، کم عمر تھے، اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی، اُن پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے اُن سے پکار کر کہا کہ "بابا نور الدین! العظمة والکبریاء للہ" صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی، سارا رعب جاتا رہا، اور جو امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آرہے ہیں تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لیکر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے تو اُس نے خلافِ معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا، بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی، اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی؟۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہلِ اسلام کی دُعاگوئی میں مصروف ہے، اس کو معذور

سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشۂ عافیت میں واپس جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے، جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اُس کے ہاتھ میں کپکپی تھی، لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا شیخ نے فرمایا، نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکہ قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو۔ شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی۔ یہاں تک کہ بات دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے۔ شیخ نے فرمایا کہ سُبحان اللہ! درویش کو تو دو سیر چاول دال اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے، وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ بڑی کوششوں اور حیلوں سے یہ کہہ کر کہ بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا، آپ نے وہ دو ہزار تنکے قبول کئے، اور وہ بھی اپنے برادرانِ طریقت اور اہلِ حاجت میں تقسیم کر کے ہانسی واپس آگئے۔[۲]

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر منتقل ہو جانے کا حکم دیا، اُس زمانہ میں اُس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لائے اور چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کرے۔ اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور اطرافِ دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں، بڑے بڑے خیمے نصب کریں، ان خیموں میں منبر رکھے جائیں، اور ان منبروں پر چڑھ کر حضرات علماء تقریریں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اُس روز حضرت خواجہ

---

[۱] تنکا یا ٹنگا، اس عہد میں ہندوستان کا ایک سکہ تھا، اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی تھی یہ ترکی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی سفید کے ہیں۔ یعنی نقرئی سکہ۔

[۲] سیر الاولیاء، صفحہ ۲۵۳ تا صفحہ ۲۵۵

نظام الدینؒ کے خلفاءِ خاص مولانا فخر الدین زرّادی، مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دبیرؔ[1] جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زرّادی کے شاگرد تھے، مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہِ سلطانی میں لائے، مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اُس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمۂ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سراپردۂ سلطانی میں داخل ہوئے، تو شیخ قطب الدین دبیرؔ نے مولانا کی جوتیاں اُٹھا لیں، اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے، سلطان نے اُن سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کر دوں، آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے۔ سلطان نے یہ سُنکر پیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے؟ مولانا نے فرمایا کہ غصہ دباؤ۔ سلطان نے کہا کون سا غصہ۔ مولانا نے فرمایا غضب سبعی (درندوں والا غصہ)! اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا، مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ، خاصہ شاہی لگا، سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے، مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے، سلطان اور زیادہ اظہارِ تعلق کے لئے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا، مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے، پھر دسترخوان بڑھایا گیا، اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا، رخصت کے وقت ایک اونی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے، شیخ قطب الدین دبیرؔ نے ہاتھ بڑھا کر اُن کو لے لیا، ان کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے فریبی آدمی تونے یہ کیا حرکت کی،

---

[1] دبیر کا عہدہ سکریٹری کا سمجھنا چاہئے۔ ۱۲

پہلے فخر الدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں، پھر ان کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا، اور اُس کو میری تلوار سے بچا لیا، اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں میرے لئے مناسب تو یہ تھا کہ میں اُن کی جوتیاں تعظیماً سر پر رکھتا بغل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں اور یہ خلعت و کیسہ کیا بڑی چیز ہے؟ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا فخر الدین زرادیؒ کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدین میری خون آشام تلوار سے بچ گئے۔[۱]

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطین وقت سے بے تعلق اور "سرکار دربار" سے دُور رہنے کا فیصلہ کیا تھا، اور اُس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا دیا تھا، لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے، اور جب کبھی اُن کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زرّیں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمراں ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبّت کا تعلّق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ، بہت سے منکرات کا سدّباب اور بہت سے احکام شریعت اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حُسنِ سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہ عامہ، ازالۂ مظالم اور تبلیغ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی، اُس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہوگا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت، امن و امان و سرسبزی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

[۱] سیر الاولیاء ص۲۷۰ و ص۲۷۳

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے :—

او بادشاہے بود فاضل وعادل وکریم ورحیم وحلیم، درعیت وسپاہی از و راضی بودند وہیچ کس در عہد او یارائے ظلم نداشت[1]

وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف و مہربان، رحم دل وبردبار بادشاہ تھا، رعیت اور فوج سب اس سے راضی تھی کسی کو اُسکے عہدِ حکومت میں ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اُس کے آئینِ حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں، اُس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست[2] و تعزیر نہیں کی، انعامات، عطیوں اور تالیفِ قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں رہی۔

۲۔ خراج ومحاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا، اضافہ اور توفیر کو جو سلاطینِ ماضی کا دستور تھا موقوف کیا، رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی، اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرفہ الحال رہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صوبہ داری پر دیندار وخدا ترس لوگوں کو مامور کیا، کسی فساد انگیز و بدنفس کو عہدہ نہیں دیا۔ "الناس علی دین ملوکھم" کے اصول کے مطابق حکام، امراء، اور کارپردازانِ حکومت نے بھی اس کی پیروی کی[3]

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا خاص ہاتھ[4] اور اس کی فیروزمندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۷۵

[2] تعزیر و تعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطینِ سابق نے ایجاد کئے تھے۔

[3] تاریخ فرشتہ (جلد اول) ص ۲۷۱

[4] تاریخ فرشتہ ص ۲۵۹ (ج ۱)

سراج عفیف لکھتے ہیں: ــــــــ

چوں سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھ رفت خدمت
شیخ نصیر الدین را برابر خود برد، چوں سلطان محمدؒ
در ٹھٹھ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ در بادشاہی
نشست، خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان
فیروز شاہ پیغام کردہ کہ با ایں خلق عدل و انصاف
خواہی کرد و یا برائے ایں مشتے مسکینان
والی دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ
آید، سلطان فیروز جواب فرستاد کہ با بندگانِ
خدائے تعالیٰ حلم و نرم و اتفاق کنم، چوں
خدمت شیخ ایں لفظ شنید بر سلطان فیروز
جواب فرستاد اگر با خلق ایں چنیں خلق خواہی
کرد، ما ہم برائے تو از اللہ تبارک و تعالیٰ چہل سال
ملک خواستہ ایم، عاقبت ہم چناں شد سلطان
فیروز تا چہل سال ملک راند۔[1]

جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھ ملک طغی کی بغاوت
فرو کرنے گیا ہوا تھا حضرت شیخ نصیر الدین کو
اپنے ساتھ لے گیا تھا، سلطان کا جب انتقال ہوا
اور سلطان فیروز شاہ دربار شاہی میں بیٹھا،
حضرت شیخ نصیر الدین نے فیروز شاہ کو پیغام
بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کیساتھ تم عدل و انصاف
کروگے، یا میں ان غریبوں کے لئے اللہ سے
کوئی دوسرا حاکم مانگوں۔ سلطان فیروز نے
جواب دیا کہ "با بندگانِ خدائے تعالیٰ حلم و نرم
و اتفاق کنم"۔ جب حضرت شیخ نے یہ جواب سنا
تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق کیساتھ اسی طرح
معاملہ کروگے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے
چالیس سال مانگ لئے ہیں، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ
سلطان فیروز نے چالیس سال تک حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۵۹، ۷۷۶ھ) کو تمام مشائخ دکن نے بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور اس کے ہاتھ پر حاضرانہ اور غائبانہ بیعت کرلی لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریبؒ کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین (م ۸۰۱ھ) نے

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص۲۸

اس بنا پر انکار کر دیا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیات شرعی کا مرتکب ہے۔ اور فرمایا :۔

سزاوار پادشاہی خلق کسے است کہ در حفظ شعائر ملت محمدی کوشیدہ سرّاً و علانیۃً پیرامون مناہی نہ گردد۔	خلق خدا پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص ہے جو شعائر اسلام کی حفاظت میں کوشش کرے اور خلوت و جلوت کسی حالت میں بھی ممنوعات شرعی کے قریب نہ جائے۔

ششتہ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل ہوا، تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دست خاص کی میرے پاس بھیجیں۔ شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریب سے ایک عالم، ایک سید اور ایک ہجڑا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بُت خانہ میں جائیں، جو بت کا سجدہ کرے گا اُس کی جان بخشی ہو گی اور جو انکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔ پہلے عالم کو لے گئے، انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا[1]، اور بت کا سجدہ کر کے اپنی جان بچالی، سید نے عالم کی تقلید کی، جب ہجڑے کی باری آئی تو اُس نے کہا میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری، میں نہ عالم ہوں نہ سید کہ ان میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اُس نے قتل ہو جانا منظور کر لیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا، میرا قصہ بھی اُسی ہجڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے، میں تمھارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمھارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی، اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جا کر ان کی قبر کی پائینتی اپنی لاٹھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے۔ بادشاہ نے جب شیخ کی یہ مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا، اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرع کاغذ پر لکھ کر صدر شریف کے ہاتھ بھیجا۔ ع

---

[1] الا ان تتقوا منھم تقاۃ (سورۂ آل عمران، رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

"من زاں تو ام تو زاں من باش"

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالک محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پئے، اور قضاۃ و علماء و صدور کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سعی بلیغ سے کام لیں، تو فقیر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا۔ ؎

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم ٭ جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند ٭ تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

(ترجمہ) جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی، نیک دلی اور نیک خوئی کے مجھ سے کچھ سرزد نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی، جب موقع ملے گا ہم ان کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کریں گے)۔

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا، اور فرمان جاری کیا کہ القاب شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا جائے۔ قبل اسکے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو، سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مسند عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدولت گلبرگہ پہنچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول کی، دکن کے چوروں و فسادیوں کو جو دور دور مشہور تھے اور جنہوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا، ختم کرنے کا انتظام کیا، چھ سات مہینے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں رہزنوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر اطراف و جوانب سے گلبرگہ میں لائے گئے، سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت کرتا رہا، اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ نے بھی اس کی ہمت افزائی، قدردانی اور ہدایات اور مشوروں کی دریغ نہیں کیا۔[1]

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) از ۵۵۵ تا ۵۶۲، طبع پونا ۱۸۳۲ء۔

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصّوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطینِ وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی، بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پنڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی، جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں :-

"حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے، جس زمانہ میں وہ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی، راجہ کنس (جو بھوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا، حضرت نور قطب عالم نے براہِ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سید اشرف جہانگیر کے مجموعے میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا وہ بنگال میں صوفیائے کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے[2]"

ان چند واقعات سے جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیئے گئے، اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوّف محض عزلت و خلوت نفس کشی اور ترکِ دنیا اور

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم ص۱۱۱ عنوان مسلّط شدن راجہ کانس زمیندار تا ص۱۱۱

[2] تاریخ مشائخ چشت ص۲۰۲

اقبال کے الفاظ میں "سر بزیری اور گوسفندی و میشی" نہیں تھا، انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانہ کے دھارے کو بدلنے اور حالاتِ زمانہ سے پنجہ آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمۂ حق کہنے، اُن کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے سے بھی پس و پیش نہیں کیا، اور جب کبھی اُن کے اولوالعزم مشائخ کو موقع ملا، انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اشاعتِ اسلام

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغِ اسلام پر پڑی تھی، اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے، عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور روحانیت کی رہینِ منت ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عنداللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جوگ و اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ یہاں کے بہت سے فقیر و سنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضاتِ شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی، اُن میں بہت سے لوگ اس نووارد مسلمان فقیر کے امتحان اور اُس کو زک دینے کے لئے اُس کے پاس آئے لیکن اُن کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الوطن درویش اُن سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے، اور ساحرینِ فرعون کی طرح اُن کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اُس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے۔ اسی کے ساتھ اُن کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریقِ مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد، اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں و سنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہؒ کی اشراقی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر مآخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے

اُس وقت کے ذوق و رجحان اور اجمیر کی دینی و رُوحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلافِ قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہؒ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا، وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی بلکہ اُنکی روحانیت، اخلاص و اخلاق اور اُن کا وہ طرزِ زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہلِ فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگؒ کے اہلِ سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ اُن کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب و ملّت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ فرماتے ہیں:۔

بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین از ہر جنس درویش وغیر آں بر سیدے[1]	حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی خدمت میں ہر صنف و نوع کے لوگ درویش وغیر درویش پہنچے تھے۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد، قلبی قوت عطا فرمائی تھی، اُس کے پیشِ نظر بعید نہیں کہ اشاعتِ اسلام میں، وہ بھی معین ہوئی ہو، اور نومسلموں کی بہت بڑی تعداد، اُن کی رُوحانیت اور کشف و کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو۔ پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبولِ اسلام کو حضرت خواجہؒ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اور اپنی نسبت اُن ہی طرف کرتے ہیں۔ پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:۔

"پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الحق ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔ یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گذرے ہیں۔ بابا فرید شکر گنجؒ کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے، اُس نے تحریر کیا ہے کہ

---

[1] فوائد الفواد ص

سوا قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا۔[۱]

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو اہلِ ہند میں اشاعتِ اسلام سے بڑی دلچسپی تھی، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کہنے سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کرلینا، بالخصوص ہندو قوم کا، جو اپنی پختگی، قدامت پرستی، اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہے، محض حُسنِ تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کرلینا آسان نہیں، اس کے لئے اُن کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا، اور اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ:۔ تمھارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟۔ غلام نے عرض کیا کہ:۔ اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہوجائے۔ یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا کہ:۔ کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا، ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میسر آجائے تو اُمید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہوجائے۔[۲]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسندِ ہدایت و ارشاد پر متمکن رہے، اور اُن کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کے لئے کھُلا رہا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دُور دراز گوشوں سے، مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی قومی خوش اعتقادی کی بناء پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہؒ کے مرکز غیاث پور سے جانبِ جنوب متصلاً واقع ہے، اور

---

[۱] دعوتِ اسلام، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی ص۲۹۵ [۲] فوائد الفواد ص۱۸۲

جہاں کے رہنے والوں کی رہزنی اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے، اور جن کی کئی بار غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی۔ حضرت خواجہؒ کے فیوض و برکات اور اُن کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہوگا، اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے، جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا، اور اُن قوموں کو جو کشف و کرامت اور رُوحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے، پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرین قیاس ہے۔ گیارھویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے مجدد حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کو اشاعت اسلام کا بڑا اہتمام تھا، انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں، ان میں جا بجا اس کی تاکید و ہدایت ہے، ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

درآں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد و ذاکراں کثیر[1]	اسکی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع اور اسکے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

بہر حال کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ حقیقی بر کنید[2]۔

---

[1] مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۶، ص ۹ [2] ایضاً نمبر ۸۰ ص ۶۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :۔

"شیخ نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدۂ اسلام ہوگئے بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے"۔

شاہ کلیم اللہ صاحبؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"و دیگر مرقوم بود بھیہ دیارام و ہندو ہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام در آمدہ اند اما با مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند"

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے، مبادا بعدِ موت اُس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"برادرِ من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امرِ جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند مسلمان حقیقت را بسوزانند، دیارام اگر خطے می نویسد خطے نوشتہ خواہد شد[۱]"

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ در دُکراد مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقرائے اسلام ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان سلاسلِ تصوّف میں سلسلۂ چشتیہ اور اُس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے، اور اس کام میں اُن کا حصّہ تناسب سے زیادہ ہے۔

خدمت و اشاعتِ علم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور اُن کے خلفاء اور اہلِ سلسلہ کو علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اُس کا اندازہ حضرت خواجہ فریدالدینؒ کے

[۱] مکتوب ۱۲، ص ۱۲

مقولہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودی (اخی سراج) بانیِ خانقاہ پنڈوہ کے ساتھ رویہ سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اُن کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی تحصیل و تکمیل نہیں کرلی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے، اور یہ رفاقت دورِ انحطاط تک قائم رہی۔ حضرت خواجہؒ کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے، جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے۔ شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا مشہور شعر ہے۔ ؎

سألتُ العلمَ من احیاك حقًا

فقال العلم شمس الدّین یحییٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ تمھیں حقیقی حیات کس نے بخشی، اُس نے مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مخصوص ارادت مندوں و مسترشدین میں قاضی عبد المقتدر کندی (م ۷۹۱ھ) اُن کے شاگردِ رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۸۰۹ھ) ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ و مجددینِ علم میں سے ہیں۔ قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجگی کے شاگردِ رشید شیخ شہاب الدین احمد ابن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) فخرِ ہندوستان اور نادرۂ روزگار تھے، اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی تاریخ میں زندۂ جاوید ہیں، اُن کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی کے نام سے عرب و عجم میں مشہور ہوئی) کے محشیوں میں علّامہ گازرونی اور میر غیاث الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں، یہ وہی ہیں جنکی علالت کے موقع پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق کیا، اور دعا کی کہ ملک العلماء میری سلطنت کی آبرو ہیں، اگر ان کی موت مقدر رہی ہے تو اُن کے بجائے مجھے قبول کرلیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء چشتی کوروی (م ۱۰۴۷ھ) جن کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوروی، سید محمد ترمذی کالپوی، شیخ محمد رشید جونپوری اور شیخ یٰسین بنارسی جیسے علماء کبار و شیوخ عصر تھے مولانا لطف اللہ کوروی کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد امیٹھوی عرف ملّا جیون، قاضی علیم اللہ کچپدوی اور مولانا علی اصغر قنوجی تھے، جنھوں نے تدریس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا، اور بڑے بڑے نامور عالم و مدرس اُن کے حلقۂ درس سے تیار ہوکر نکلے ٹیلہ والی مسجد کا شہرۂ آفاق دار العلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م ۱۰۸۵ھ) تھے، اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا۔ خود درس نظامی (جس کی جہانگیری مسلّم ہے) کے بانی ملّا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) اور اُن کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلہ سے نسبتِ روحانی رکھتے تھے۔

اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے، جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

خاتمۂ کلام

قبل اس کے کہ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحۂ زرّیں ختم کیا جائے، ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ، اس سلسلہ اور اسکے بانیانِ کرام اور اسلافِ عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا، تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی۔ یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درد و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغناء، ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا، اُس میں تدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین کا اعلان و تذکرہ۔

(۲) محافل سماع کی کثرت، وجد و رقص کا زور۔

(۴) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق وگرم بازاری جو شرعی حدود وقیود سے بے نیاز ہے ۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لئے دینِ خالص کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دُور دراز مقامات سے آئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستورالعمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک معمہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلّغینِ اسلام بحرو بر طے کرکے تشریف لائے تھے) عملاً کیا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت توحیدِ وجودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی سنّت اور اتباعِ شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، اہلِ ظاہر کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دو الگ الگ کوچے تسلیم کئے گئے جن میں نہ صرف مغائرت تھی، بلکہ تضاد ۔ مزامیر و آلاتِ سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت سے ممانعت کی تھی، داخل طریق بن گئے، درد و عشق کی جنس جو طریقۂ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہوئی کہ طالبِ صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ ۔ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فقر جو اس طریق کا فخر تھا، شانِ امیری اور شکوہِ خسروی سے تبدیل ہو گیا ۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن بندگانِ خدا کا مقصدِ حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دُنیا کے تمام آستانوں سے اُٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکانا اور "ماسویٰ" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکانا تھا، اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السّلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی ۔

ما کان لبشر ان یوتیہ اللّٰہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للنّاس کونوا عباداً لی من دون اللّٰہ ولکن کونوا ربانیین	کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ تو اس کو کتاب اور دین کی فہم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کی توحید کو چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے

بما كنتم تعلمون الكتاب	بن جاؤ بوجہ اسکے کہ تم کتاب آلہی اوروں کو بھی سکھاتے ہو
وبما كنتم تدرسون ولا يامركم	اور بوجہ اسکے کہ خود بھی اسکو پڑھتے ہو اور نہ وہ یہ بات
ان تتخذوا الملئكة والنبيين	بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو
اربابا ايامركم بالكفر بعد اذ انتم	بھلا وہ تم کو کفر کی بات بتلاوے گا بعد اسکے کہ
مسلمون ٥ - (آل عمران - ع ٨)	تم مسلمان ہو ۔

انقلاب زمانہ سے خود اُن کی ذات مطلوب و مقصود اور خود اُن کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا ۔

مخدوم الملک

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

رحمۃ اللہ علیہ

(۶۶۱ھ ——————— ۷۸۶ھ)
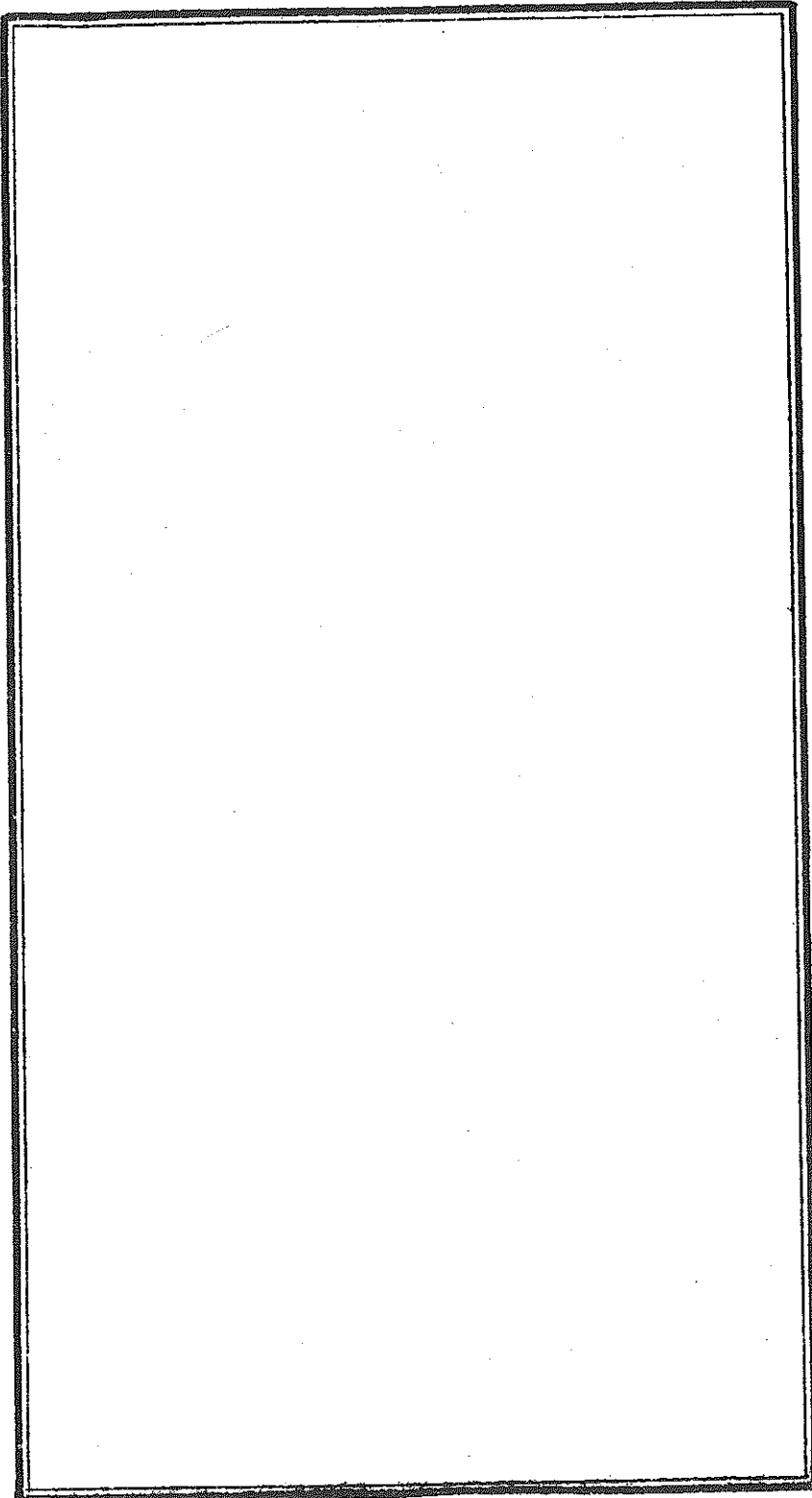
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

حالاتِ زندگی

ولادت سے بیعت و اجازت تک

خاندان

احمد نام، شرف الدّین لقب، مخدوم الملک بہاری خطاب، والد کا نام شیخ یحییٰ تھا، جو زبیر ابن عبد المطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علما و مشائخ میں سے تھے۔ الخلیل[۱] (شام) سے نقل سکونت کرکے بہار کے قصبہ منیر[۲] میں قیام پذیر ہوئے۔ بعض مصنّفین نے آپ کو شہاب الدین جودی کا ہم عصر بتایا ہے۔

---

[۱] اب یہ شہر حکومت ہاشمیہ اردنیہ کا ایک شہر ہے، جو بیت المقدس سے تقریباً ۱۹ میل واقع ہے، اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شرفاء اور علماء کی یہ قدیم بستی ہے، اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اپنے ساکنین کی نرم خوئی، مہربانی اور حُسنِ اخلاق میں مشہور رہا ہے۔

[۲] اس وقت عام طور پر قصبہ منیر کے نام سے مشہور ہے لیکن قدیم ماخذ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ (بقیہ ص۱۷۸ پر)

مولانا محمد تاج فقیہؒ کی ذات سے منیر اور اُسکے مضافات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، کچھ عرصہ آپ نے منیر میں قیام کرکے وطن کو مراجعت فرمائی، اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور منیر میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدینؒ کے نانا شیخ شہاب الدین جگ جوتؒ سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں تھے، آبائی وطن کاشغر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جٹھلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مریدین میں سے تھے۔ زہد وورع اور استقامت میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے جگ جوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے، ان کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد شرف الدینؒ اور دوسری صاحبزادی سے شیخ احمد چرم پوشؒ جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے[۱]۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے، اس طرح شیخ احمد شرف الدینؒ کا سلسلہ مادری سادات میں سے ہے۔

(ص۱۶۷ کا بقیہ حاشیہ) اس کا اصل تلفظ مُنیرؔ تھا۔ فرہنگ ابراہیمی جس کے دوسرے نام شرف نامہ ابراہیمی اور شرف نامہ احمد منیری بھی ہیں اور جو ۸۶۲ھ اور ۸۷۶ھ کے درمیان کی تصنیف ہے کے مقدمہ میں اُسکے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے اپنے ایک مصرع میں کتاب کا نام اس طرح منظوم کیا ہے۔ ع :- "شرف نامۂ احمد مُنیری" یہ مصرع جب ہی موزوں ہوتا ہے جب مُنیری پڑھا جائے۔ اس کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کو انگریزی میں بھی اسی طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی مُنیری (MUNYARI)-۱۲

[۱] سیرۃ الشرف میں ہے کہ یہ قصبہ ۵۷۶ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا ــــــــــ مصنف نے ایک قطعہ تاریخی نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے۔ سہ

یافت چوں بر راجۂ منیر ظفر ٭ داد امام از دین جہانے را نوی
۵۷۶
ہست منقول از بزرگانِ سلف ٭ سال آں دینِ محمد شد قوی

(بقیہ ص۱۶۹ پر)

ولادت

شعبان کے آخری جمعہ ۶۶۱ھ میں قصبہ منیر میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ "شرف آگیں" تاریخ ولادت ہے۔ آپ کے تین بھائی اور تھے:۔ شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔

تعلیم

جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اُس زمانہ میں بہت سے ممالکِ اسلامیہ میں عام طور پر دستور تھا کہ درسی کتابوں کے متون لفظ بلفظ یاد کرائے جاتے تھے، اور کچھ لغت کی مختصر کتابیں بھی، تاکہ الفاظ کا ذخیرہ بچپن سے محفوظ ہو جائے۔ شیخ نے اس طرزِ تعلیم پر اپنی بعض بعض تحریروں میں تنقید فرمائی ہے، اور قوتِ حافظہ اور وقت کے اس غلط استعمال پر افسوس ظاہر کیا ہے کہ بجائے قرآن مجید کے ایسی کتابیں رٹائی جائیں جو دین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ معدن المعانی کے بابِ ششم میں فرماتے ہیں:۔

در ایامِ خوردگی چندیں کتابہا مارا یاد گردانیدند
چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات وجز آں در
کتابہا۔ و مفتاح اللغات چندے بیستے خواہد بُود
مقدار یک جلد یاد کرانیدند و ہر بار یاد تمام
می شنیدند بایست بجائے آں قرآن یاد می کرانیدند[۱]

بچپن میں اُستادوں نے بہت سی کتابیں
یاد کرائیں مثلاً مصادر، مفتاح اللغات وغیرہ
مفتاح اللغات بیس جزو کی کتاب ہوگی، بقدر
ایک جلد کے یاد کرائی، ہر مرتبہ زبانی سُنتے تھے،
اسکے بجائے قرآن مجید یاد کرانا چاہیئے تھا۔

افسوس ہے کہ تذکروں میں آپکے ابتدائی اساتذہ کے نام اور ان کتابوں اور علوم کی تفصیل نہیں ہے، جن کی آپ نے

(ص۱ کا بقیہ حاشیہ) اس طرح یہ ماننا پڑیگا کہ فتح منیر شہاب الدین غوری کی فتح ہندوستان (۵۸۸ھ) سے قبل کا واقعہ ہے، کیا مسلمان غزنویوں کے عہد ہی میں بہار و بنگال کی حدود میں پہونچ گئے تھے، اور انھوں نے جا بجا اسلامی عملداری اور قبضہ کی بنیاد ڈالدی تھی؟ تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔

[۱] معدن المعانی مطبع شرف الاخبار ص۲۳۔

وطن میں رہ کر تحصیل کی۔ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے نیر میں رہ کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی، اور وقت کے بڑے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔

مولانا شرف الدین ابو توامہ سے تلمذ اور سنار گاؤں کا سفر

وطن میں رہ کر علم کی تحصیل کے جو مواقع حاصل تھے، جب آپ نے اُن سے فراغت حاصل کر لی، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی تکمیل و ترقی کیلئے ایک دوسرا انتظام فرمایا۔ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا شرف الدین ابو توامہ جو شمس الدین التمش کے عہدِ دولت ہی سے علم و تدریس کے نظامِ شمسی کے ایک روشن ستارہ تھے۔ غالباً غیاث الدین بلبن کے عہد میں[1] رجوعِ عام اور بعض حاسدوں کی ریشہ دوانیوں کی بنا پر اشارۂ سلطانی سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اس وقت ہندوستان کی اسلامی مملکت کے آخری سرحدی شہر سنار گاؤں[2] کا قصد فرمایا، راستہ میں بہار سے گذرتے ہوئے آپ نے چند روز نیر میں قیام فرمایا، جو غالباً اس وقت دہلی سے سنار گاؤں جاتے ہوئے ایک کارواں سرائے اور آباد بستی تھی، اہلِ قصبہ کو

---

[1] اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا شرف الدین ابو توامہ کے نیر تشریف آوری کے وقت شیخ شرف الدین احمد کم سے کم ۱۲ سال کے تھے تو یہ ۶۷۳ھ ہوگا، اس طرح یہ زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے ۶۶۴ھ سے لیکر ۶۸۶ھ تک سلطنت کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابو توامہؒ نے سلطان غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔ سچ

"رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

[2] سنار گاؤں مسلمانوں کے عہد میں مشرقی بنگال کا دارالحکومت تھا، اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو کس مپرسی میں پڑا ہوا ہے، اور پنام (PAINAM) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے یہ دریا برہم پتر اس سے ۲ کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے، سنار گاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اُس شاہی سڑک کا منتہیٰ تھا جس کو شیر شاہ نے بنایا تھا۔ ۱۲

علم ہو گیا کہ دہلی کا ایک جید عالم نیر آتا ہے۔ صاحب مناقب الاصفیا[۱] کا بیان ہے کہ شیخؒ مولانا شرف الدین کے تبحر علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے، اور فرمایا کہ: ۔علوم دین کی تعلیم ایسے ہی جامع علم و عمل شخص سے کرنی چاہئے آپ نے اپنے والدین سے سنار گاؤں جانے کی اجازت مانگی، اور اُن کی اجازت سے مولانا شرف الدینؒ کی ہمرکابی اختیار کی اور سنار گاؤں تشریف لے آئے۔ شیخ خود اپنی کتاب "خوانِ پُر نعمت" کی مجلس ششم میں اُستاد کے متعلق اپنے تاثرات اور عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں:۔

مولانا شرف الدین ابو توامہؒ ایں چنیں دانشمندے کہ در تمام ہندوستان مشار الیہ بودند و ہیچ کس را در علم ایشاں شبیہ نبود[۲]	مولانا شرف الدین ابو توامہؒ ایسے عالم تھے کہ تمام ہندوستان میں ان کی طرف انگلیاں اُٹھتی تھیں، اور علم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

سنار گاؤں پہونچ کر آپ حصولِ علم میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔

صاحبِ مناقب الاصفیا کا بیان ہے کہ آپ کو مطالعہ اور اسباق میں اتنا انہماک تھا، اور وقت کی اتنی قدر تھی کہ طلبہ اور حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا گوارا نہ تھا کہ اس میں کچھ زیادہ وقت صرف ہوتا ہے۔ مولانا شرف الدین ابو توامہ نے آپ کا انہماک اور طبیعت کا تقاضا دیکھ کر اس کا انتظام کر دیا کہ آپ کا کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہونچ جایا کرے[۳]۔

---

[۱] "مناقب الاصفیا" مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف ہے، جو حضرت شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے بنی اعمام میں سے تھے۔ آپ شیخ عبدالعزیز ابن مولانا محمد تاج فقیہؒ کے پوتے ہیں ———— اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدینؒ کے حالات کا قدیم ترین اور خاندانی ماخذ ہے۔ ۱۲۔

[۲] خوانِ پُر نعمت ص۱۵ (مطبع احمدی)۔

[۳] مناقب الاصفیا ص۱۳۱ و ۱۳۲

شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور یکسوئی میں گذرا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سنارگاؤں کے زمانۂ قیام میں وطن سے جو خطوط پہونچتے تھے اُن کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے، اور اس خیال سے پڑھتے نہیں تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی، اور حصولِ مقصد میں خلل واقع ہوگا۔[1]

شیخ نے سنارگاؤں میں مولانا کی خدمت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی، علوم دینیہ اور علوم نافعہ کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ اُن بعض علوم کی بھی تحصیل کریں، جن کے اس زمانہ کے نوجوان اور حوصلہ مند طالب ہا کرتے تھے، مثلاً علم کیمیا وغیرہ۔ شیخ نے معذرت کی، اور عرض کیا کہ۔ مجھے علوم دینیہ ہی کفایت کرینگے۔

ازدواج مولانا شرف الدین ابو توامہ نے اس جوہر قابل کی پوری قدر دانی اور سرپرستی فرمائی اور اپنی صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کرکے اُن کو اپنی دامادی میں لے لیا، سنارگاؤں ہی کے زمانۂ قیام میں شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین پیدا ہوئے۔

مراجعتِ وطن بعض سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فراغت کے بعد جب آپ نے خطوط کا خریطہ کھولا، تو جو پہلا خط ہاتھ میں آیا، اُس میں آپکے والد ماجد شیخ یحییٰؒ کی وفات کی اطلاع تھی، اس اطلاع سے ماں کا خیال آیا، اور محبتِ فرزندی نے جوش کیا، اور آپنے اپنے اُستاد سے وطن کو واپسی کی اجازت طلب کی، اور صاحبزادہ شیخ ذکی الدین کے ساتھ منیر تشریف لائے۔[2]

شیخ یحییٰ منیریؒ کا انتقال باتفاق مورخین ۱۱ شعبان سنہ ۶۹۰ھ میں ہوا، اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی واپسی سنہ ۶۹۰ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی، اس سے زیادہ کی تاخیر کی گنجائش اسلئے نہیں ہے، کہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے (جن کے ہاتھ پر آپنے دہلی جاکر بیعت کی) سنہ ۶۹۱ھ میں انتقال فرمایا،

---

[1] سیرۃ الشرف ص۴۶، نزہۃ الخواطر، جلد ۲ ص۹

[2] سیرۃ الشرف ص۵۲

اسلئے نیر واپسی اور دہلی پہونچنا یہ سب زیادہ سے زیادہ ۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے اوائل میں تسلیم کرنا پڑے گا، اس زمانہ میں سفر کی صعوبت اور سنار گاؤں سے دہلی تک کی مسافت کو دیکھ کر اس بیان کے تسلیم کرنے میں ذرا دشواری محسوس ہوتی ہے، اور یہ واقعہ بھی غرابت سے خالی نہیں کہ آپ نے ۶۹۰ھ تک خطوط ملاحظہ نہ فرمائے ہوں، اور والدہ کے انتقال کے بعد ہی خریطہ کھولنے کی نوبت آئی ہو، اور اتفاق سے پہلا خط اُن کے انتقال کی اطلاع ہی کا ہاتھ لگا ہو، لیکن خواہ مراجعتِ وطن کا محرک محض ایک خط کے اتفاقی مطالعہ کو نہ قرار دیا جائے، لیکن اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ۶۹۰ھ سے پہلے نیر واپسی نہیں ہوئی، کیونکہ اس واپسی کے موقع پر کسی تذکرہ نگار نے بھی والدہ سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ "مناقب الاصفیا" (جو ایک خاندانی ماخذ ہے) میں ہے:—

ازاں جا قصد نیر کرد بخدمتِ مادر آمد ... ... پسر را تسلیم مادر کرد وگفت ایں را بجائے من دانید و مرا بگذارید ہر جا کہ خواہم بردم پندارید کہ شرف الدین مرد، بعدہٗ طرف دہلی رفت و مشائخ دہلی را دریافت[1]۔	وہاں سے نیر کا قصد کیا، ماں کی خدمت میں حاضر ہوئے بچے کو اُن کی دادی کے سپرد کیا اور کہا کہ اس کو میری جگہ پر سمجھئے، اور مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں چاہوں جاؤں، یہ سمجھ لیجئے گا کہ شرف الدین مرچکا ہے اسکے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مشائخ دہلی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

بہرحال آپ کی بلند ہمتی، صدق طلب، اور عشق الٰہی کی دبی ہوئی چنگاری نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ ظاہری علم کی تکمیل پر قناعت کر کے نیر میں قیام کرلیں، اور علماء ظاہر کی طرح محض درس و تدریس میں مشغول ہوجائیں، آپ نے کمسن صاحبزادے ذکی الدین کو اپنی والدہ صاحبہ کے حوالہ کیا، اور عرض کیا کہ اس کو میری یادگار اور

---

[1] مناقب الاصفیا ص۱۳۲ مطبع نور الآفاق کلکتہ

خاندان کا چشم و چراغ جان کر اپنے پاس رکھئے اور دل بہلائیے، اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے کہ مقصودِ حقیقی حاصل کروں۔

سفرِ دہلی و انتخابِ شیخ بہرحال ۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے آغاز میں آپ نے دہلی کو کوچ کیا، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ہمراہ تھے، اندازہ ہوتا ہے کہ متبحر استاد کے فیضِ تعلیم اور اپنی جودتِ طبع سے آپ میں معاصر علماء و مشائخ کو ناقدانہ اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی عادت اور علوم ظاہری کے معیار پر جانچنے کا مذاق پیدا ہو گیا تھا۔ دہلی پہونچ کر آپ نے مشائخ وقت کے یہاں حاضری دی اور اُن کو اس نظر سے دیکھا کہ کس کو اپنا خضرِ طریق بنایا جائے، لیکن جیسا کہ سوانح نگاروں کا بیان ہے، بزرگانِ دہلی میں سے کوئی آپ کی نظر میں نہیں جچا، مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق آپ نے سب کے ہاں حاضری دینے کے بعد فرمایا: "اگر شیخی اینست ما ہم شیخیم" (اگر یہی پیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں[1]) صرف حضرت سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ متاثر ہوئے، حضرت کی اور آپ کی کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی، آپ نے سوالات کے معقول جواب دیئے، حضرت خواجہؒ نے اعزاز و اکرام فرمایا، اور پانوں کی ایک تھال عنایت فرمائی، اور فرمایا:-

سیمرغ است نصیب دام ما نیست۔۔	ایک شاہین بلند پرواز ہے لیکن ہمارے جال کی قسمت میں نہیں ہے[2]
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔	

دہلی سے پانی پت آئے، اور شیخ بوعلی (شرف الدین) قلندر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا، فرمایا:-

شیخ است اما مغلوب حال است بہ تربیت	شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال، دوسرے کی تربیت

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۳۷ [2] ایضاً ص۱۳۷

دیگرے نمی پردازد[۱] | نہیں کرسکتے۔

شیخ نجیب الدین فردوسیؒ

دہلی اور پانی پت سے مایوس واپس آنے پر بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا تذکرہ کیا اور اُن کا طریق اور مناقب بیان کئے، شیخ نے کہا کہ :۔ جو دہلی کا قطب تھا (خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) اُسنے ہم کو پتے دیکر واپس کر دیا، اب دوسرے کے پاس جاکر کیا کرینگے؟۔ بھائی نے کہا کہ :۔ ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھائی نے جب زیادہ اصرار کیا تو اُن کی ملاقات کا ارادہ کر لیا اور دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی اس شان سے پہونچے، کہ مُنھ میں پان دبا ہوا تھا، کچھ پان رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ جب خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے دولت خانہ کے قریب پہونچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی، اور بدن پسینہ پسینہ ہو گیا تعجب ہوا، اور کہا کہ میں اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے ہاں حاضر ہوا، لیکن یہ کیفیت کہیں نہیں ملی جب حضرت شیخ کے ہاں پہونچے اور شیخ کی اُن پر نظر پڑی تو فرمایا کہ :۔ مُنھ میں پان، اور رومال میں بھی پان کے پتے، اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں!۔ یہ سُنتے ہی آپنے پان کو مُنھ سے نکال دیا، اور ایک رعب کی حالت میں مؤدب بیٹھ گئے، کچھ دیر گذر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی، خواجہؒ نے قبول فرمایا، اور داخلِ سلسلہ کر لیا[۲] اور اجازت دے کر رخصت فرمایا۔

---

[۱] مناقب الاصفیاء ص۱۳۲ [۲] ایضاً ص۱۳۲

باب دوم

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ اور اسکے مشائخ کبار

خواجہ نجم الدین کبریٰؒ

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف وامام طریقہ سہروردیہ کے عم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۳ھ) کے خلفاء کبار میں سے ایک بزرگ ابو الجناب احمد ابن عمر مشہور بخواجہ نجم الدین کبریٰ[1] رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خوارزم وطن تھا، تصوف و طریق میں آپ مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ بھی رُوحانی رشتہ سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اور اپنے مرشد کا جانشین وقائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب واحترام کرتے تھے۔ عوارف المعارف (جو اپنے

[1] آپ کا لقب کبریٰ اس بناء پر ہو کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحث و مناظرہ میں مدمقابل کو شکست دیدیتے تھے آپکا لقب الطامۃ الکبریٰ (بڑی آفت) پڑگیا۔ کثرت استعمال سے الطامۃ محذوف ہوگیا، اور الکبریٰ رہ گیا۔

اخزینۃ الاصفیاء وصفحہ ۲۵۹

مصنف کے زمانہ کے بعد سے لیکر اس وقت تک طالبینِ طریقت کا دستور العمل اور حرزِ جان ہے) جب تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبولِ عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔

حضرت شیخ نجم الدینؒ پر توحید و فنا اور عشق و محبتِ الٰہی کی کیفیت کا غلبہ تھا۔ معارف و حقائق کے بیان میں پایۂ بلند رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے :۔

سخن در توحید و معرفت و در قواعد طریقت و حقیقت بیان بدیع گفتے، تصنیفات او بہ عربی و فارسی و نظم و نثر بسیار است از جملہ تصنیفات او تبصرہ و رسالہ در بیان طریق سلوک دریں زمین ہند مشہور است[1]۔	توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے اصول و قواعد کے بارے میں بڑی بلند باتیں، اور لطیف نکتے ارشاد فرماتے، عربی، فارسی اور نظم و نثر میں انکی تصنیفات بہت ہیں انھیں تصنیفات میں ایک کتاب تبصرہ اور ایک رسالہ طریقِ سلوک کے بیان میں ہندوستان میں مشہور ہے۔

صاحبِ مناقب الاصفیاء نے آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عشق و سرشاری کی عجیب کیفیت اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجب عالم نظر آتا ہے، یہاں صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں، ایک غزل میں فرماتے ہیں :۔ ؎

در چنیں حیرت کہ من دارم چہ گویم وصفِ خویش
آتشم خاکم نسیم آبم دریا چیستم ؟
عاشقم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال
نیستم ہستم نہ بر جایم نہ بے جا چیستم ؟

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۹۵

دریکے شبنم ہزاران کوہ وصحرا این عجیب

شبنم یا ساحلم یا کوہ و دریا چیستم؟

بے نشانی شد نشان وبے زبانی شد زبان

بے نشان وبے زبان گویان و بینا چیستم؟

دوستانم نجم خوارزمی ہمیں خوانند و من

والہ و مدہوش و حیران تا چیم یا چیستم؟

دوسری غزل میں فرماتے ہیں۔ ؎

نہ از علوی خبر دارم، نہ از سفلی اثر دارم ❊ وطن جائے دگر دارم کہ این جانیست و آنجانہ

نہ در گنج مناجاتم نہ در کوئے خراباتم ❊ خلاف عقل طاماتم کشیدہ رطل مستانہ

بیار آں جام جاں افزا بہ برا زخاطرم سودا ❊ بروں شو از من واز ما در آ اے یار فرزانہ

چوں آتش گرچہ چالاکم نہ ازبادم نہ ازخاکم ❊ چوں آب ازاین وآں پاکم بگفتم سرّ مستانہ

الا اے نجم گر خواہی مسلّم ماہ تا ماہی

بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مردانہ

۱۰ر جمادی الاوّل ۶۱۸ھ کو خوارزم میں تاتاریوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ خلفاء میں شیخ مجدالدین بغدادی (مصنف مرصاد العباد کے شیخ) شیخ سعدالدین حمویا، باباکمال جنیدی، شیخ رضی الدین علی لالہ، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین جیلی اور مولانا بہاء الدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مناقب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ فریدالدین عطار کو بھی آپ سے ارادت تھی۔[1]

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۹۹

ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد

آپ کا طریقہ طریقۂ کبرویہ کہلاتا ہے، یہ تینؔ طریقوں سے ہندوستان پہونچا۔ ایک امیر سیّد علی ابن الشہاب ہمدانی کشمیری (متوفی ۷۸۶ھ)[1] کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود ابن عبداللہ المزدقانی کے خلیفہ تھے، اُن کو شیخ علاء الدین سمنانی سے اجازت تھی، اور وہ تین واسطوں سے خواجہ نجم الدین کبریٰؒ سے اجازت رکھتے ہیں۔ سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۷۴ھ یا ۷۸۱ھ میں کشمیر تشریف لائے اور اُن کی تبلیغ و مساعی جمیلہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی، یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارھویں صدی تک سرسبز رہا، اِس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب صرفی کشمیری (متوفی ۱۰۰۳ھ) تھے، جو اپنے زمانہ میں حدیث و تفسیر کے ایک بڑے عالم علامہ ابن حجر ہیتمی مکّی کے تلامذہ اور امام ربانی حضرت مجدّد الف ثانیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں، یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ اور موجود رہا ہے۔

طریقۂ کبرویہ کے ہندوستان پہونچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سیّد قطب الدین محمد مدنی (متوفی ۶۷۷ھ) تھے، جو خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے خلفاء میں تھے، آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آئے، اور بعد تک دہلی میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہے، پھر کڑا (مانک پور) فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاء الدین جیوری (متوفی ۷۳۴ھ) تھے، ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ سلسلۂ جنیدیہ کے نام سے دکن کے بعض مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

---

[1] آپ کی نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء و مشائخ و مجاہد پیدا ہوئے، جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلوی خلیفہ حضرت سیّد آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ مشہور ہیں۔ مولانا سیّد عبدالحیؒ مصنف "نزہۃ الخواطر" کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔

سلسلۂ فردوسیہ ہندوستان میں

اسی سلسلہ کی ایک شاخ فردوسی کہلائی۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ کے ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین باخرزیؒ تھے، اُن کے خلیفہ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان آئے، اور یہاں قیام اختیار فرمایا، اور طریقۂ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ

خواجہ بدرالدینؒ کے طریقہ کی خصوصیت فنا اور اضمحلال ترک ارادہ و اختیار و اخفاء خوارق و کرامات ہے۔ اس وقت سلسلۂ چشتیہ کو ہندوستان میں قبولِ عام حاصل ہو رہا تھا، اور اس طریقے کی بنیاد پڑ رہی تھی جس کی قسمت میں ہندوستان کا صاحبِ ولایت بننا تھا۔ حضرت

لہ اس وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو خلافت دیتے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب نے فرمایا تھا کہ: "شما مشائخ فردوس ہستید" لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے فردوسی کی نسبت نظر نہیں آتی، عام طور پر اس سلسلہ کے مشائخ اور ان کا سلسلہ کبرویہ کہلاتا ہے، اس لقب کی شہرت در اصل حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے زمانہ سے ہوئی، اُس وقت سے اس سلسلہ کے مشائخ فردوسی کہلائے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں: — خواجہ رکن الدین در ہند چناں برآمد کہ بعجز و عجم رسید شجرہ معظم پیراں اسکہ بنام آوردند پیران فردوس گفتند و پیوستگان ایں شجرہ را در ہند بنام او می خوانند فردوسی می گویند کہ الالقاب، تنزل من السماء ذٰلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۲۵)

خواجہ رکن الدینؒ ہندوستان میں اس شان سے آئے کہ عرب و عجم میں انکا فیض پہنچا، اپنے پیرانِ طریقت کے شجرہ کا سکہ جاری کیا اور وہ مشائخ فردوسی کے نام سے مشہور ہوئے اس شجرہ کے وابستگان ہندوستان میں اپنے سلسلہ کو اسی نام سے پکارتے ہیں، اور فردوسی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پرانا مقولہ ہے کہ نام آسمان سے اُترتے ہیں، یہ اللہ کا فضل خاص ہے جس کو چاہے دے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا آفتابِ ارشاد نصف النہار پر تھا۔ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کو ایسے ہی زمانہ اور ایسے ہی ماحول میں ایک ایسے طریقے کی بُنیاد رکھنے کا کام کرنا پڑا جس کے اندر عام کشش و رجوعِ عام کا سامان کم تھا، اور جس کے مشائخ اخفاءِ حال کو اظہارِ حال پر ذوقاً ترجیح دیتے تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء جو خود فردوسی ہیں لکھتے ہیں :-

طریقہ شطار و محبانِ حق داشت بزبانِ حال
ہمیشہ گفتے طلب علوم دین لازم گیرید داں
عمل کنید و عمل را خالص برائے خدا گردانید کہ
علم بے عمل سود نہ دارد و عمل بے اخلاص
ثمرہ ندارد و طالب کرامت مباشید،
استقامت در عبادت کرم بجوئید کہ الاستقامۃ
کل الکرامۃ تا مکاشف بیقین شوید و بُنیاد
بناءِ قواعد طریقت در ہند استوار از و دا ز
متابعان او شد پیش ازاں عوام و خواص،
الا من شاء اللہ شیخی مرا بنا بر اظہار خوارق
عادت و کرامت کردہ بودند معلوم است
در عہد خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ
در ہند بسیار محققان اہلِ طریقت بودند چنانچہ
شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا و شیخ الاسلام
شیخ نجم الدین صغری شیخ الاسلام دہلیؒ

ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا، ہمیشہ زبانِ حال سے
فرماتے رہے، طلب علوم دینیہ کو لازم سمجھو اور
ان پر عمل کرو، اور عمل کو خالصتہً لوجہ اللہ رکھو کہ
علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے
اور کرامت کے طالب نہ رہو، بندگی میں
استقامت اصل کرامت ہے تاکہ تم صاحبِ
مکاشفات یقینی ہو جاؤ۔ ہندوستان میں
طریقۂ فردوسیہ کے اصول و قواعد کی بُنیاد خواجہ
بدرالدین سمرقندیؒ اور اُنکے پیروؤں کے ہاتھوں
سے پڑی، اس سے پہلے عوام و خواص الا
من شاء اللہ اظہار خوارق و کرامت کی بنیاد
پر پیری مریدی کرتے تھے، معلوم ہے کہ خواجہ
قطب الدین بختیارؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں
بہت سے محققین اہلِ طریقت تھے جیسے شیخ الاسلام
شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ الاسلام شیخ

وشیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ
صاحب این ذکر و شیخ الاسلام
شیخ معین الدین سنجری پیر خواجہ قطب الدین
مذکور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
امارجوع خلق عام وخواص الا من شاء
چنانچہ بر خواجہ قطب الدین بختیارؒ بود
بر ہیچ یکے ازیں بزرگوار نبود وایں ازاں
سبب بود کہ خوارق عادت وکرامت از
خواجہ قطب الدین بسیار بود۔

نجم الدین صغریٰ (جو دہلی کے شیخ الاسلام تھے)
شیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ شیخ الاسلام
شیخ معین الدین سنجریؒ جو خواجہ قطب الدین بختیارؒ
کے پیر تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان سب بزرگوں پر
ہوں لیکن عوام وخواص کا جو رجوع عام خواجہ
قطب الدین بختیار کاکیؒ کی طرف تھا وہ ان بزرگوں
میں سے کسی بزرگ کی طرف نہیں تھا اس کا سبب
یہی تھا کہ خوارق عادات اور کرامات کا صدور
حضرت خواجہ قطب الدینؒ سے بہت ہوتا تھا۔

صاحب مناقب الاصفیاء مزید ان کا مذاق ومزاج اور ان کے طریق کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ———

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ از روش مشائخ
ہند ممتاز بود، مشائخ ہند اکثر ارباب معاملہ
بودند وبعضے اصحاب ریاضت ومجاہدات
بودند وخواجہ بدرالدین سمرقندی طریق شطار
محبان حق داشت ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

مدار طریق شطار بر موت ارادیست،
سالکان این راہ مخاطب بقول موتوا قبل

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کی روش دوسرے
مشائخ ہندوستان کی روش سے الگ تھی،
مشائخ ہندوستان اکثر ارباب معاملہ تھے،
اور بعضے صاحب ریاضت ومجاہدات، خواجہ
بدرالدین سمرقندیؒ کا طریقہ طریقۂ شطاریہ
عشقیہ تھا۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

اس طریقہ کا دارومدار اختیاری فنا پر، اور
اس طریق کے سالکین کا عمل موتوا قبل

ان تموتوا اند، سائران الی اللہ وطائران الی اللہ	ان تموتوا پر ہے، یہ راہِ خداوندی کے رہ نورد اور
اند اوّل قدم برجاں نہند خواناں درنظر نیاید	فضائے رُوحانیت کے شہباز اور طائرانِ تیز پرواز
جان درباز ندو شیر مردے باید کہ دریں راہ	ہیں، پہلے ہی قدم پر علائق سے گذر جاتے ہیں
قدم نہد و خود را بعدم در دہد[1]	اور جان پر کھیل جاتے ہیں، بڑا شیر مرد چاہئے

جو اس راہ میں قدم رکھے اور اپنے کو فانی بنادے

خواجہ بدرالدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع اور صاحب وجد و حال تھے، آپ نے غالباً ساتویں صدی کے آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے عہد میں وفات پائی، سنہ وفات کسی تذکرہ میں نہیں مل سکا[2]۔

خواجہ رکن الدین فردوسیؒ

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کے خلیفۂ خاص خواجہ رکن الدین فردوسی تھے، صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق انھوں نے بچپن سے اپنے شیخ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، انھیں سے علم ظاہر اور طریقت کی تعلیم حاصل کی اور ان سے خلافت حاصل کرکے اُن کے جانشین ہوئے انھیں کے زمانہ سے یہ سلسلہ فردوسیہ کہلایا، مصنف گل فردوس لکھتے ہیں، ۔۔۔

گشت از فضل خداوند جواد فردوسی

گشتم از یمن طفیلش من دو تو فردوسی

شیخ رکن الدین فردوسی بھی صاحب وجد و حال تھے اُن کا بھی انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں حضرت

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۳۷

[2] خزینۃ الاصفیاء میں سنہ وفات ۷۱۶ھ دیا گیا ہے، مصنف نزہۃ الخواطر کی تحقیق کے مطابق یہ لائق اعتماد نہیں انکی وفات اس سے پیشتر ساتویں صدی ہی میں ہوگئی تھی۔ (نزہۃ الخواطر ج ۱)

خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں ہوا۔[1]

خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ

خواجہ نجیب الدین فردوسی شیخ عماد الدین دہلوی کے صاحبزادے اور خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادرزادہ اور خلیفہ ہیں زندگی بھر اپنے شیخ اور عم نامدار کی خدمت میں رہے، پھر ان کی وفات کے بعد ان کے سجادہ کو آباد رکھا اور سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور استحکام اور توحید و عشق الٰہی کی تبلیغ و اشاعتِ عام کے لئے ایک ایسے محقق مجتہد الفن امام اور بانی طریقہ کی تربیت کی جس نے نہ صرف ان کے پیران عظام کے نام کو زندہ اور تابندہ رکھا بلکہ نصف صدی سے زائد تک مشرقی ہندوستان کو اپنے رُوحانی فیض اور حرارتِ عشق سے گرم و معمور رکھا، اور اپنی تحقیقات عالیہ، مقاماتِ علیہ اور علوم نادرہ کی بنا پر عین القضاۃ ہمدانیؒ، خواجہ فریدالدین عطارؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی یاد تازہ کردی۔ صاحب مناقب الاصفیاء اُن کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اختیار گم نامی داشت از شہرت و اسباب شہرت بری بود، اولیائی تحت قبائی در شان او مسلم بود ۔۔ ۔۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ مریدان اہل معنی داشت، مولانا

گمنامی کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا، شہرت اور اسباب شہرت سے بری تھے، اولیائی تحت قبائی (اولیاء اللہ خلق کی نگاہ سے ایسے مستور ہوتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو اُنکی خبر نہیں ہوتی) اُن کی

[1] خزینۃ الاصفیاء کی تاریخ ۷۲۱ھ صحیح نہیں ہے اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسی کا سنہ وفات بالاتفاق ۶۹۱ھ ہے، اور یہ بات خلاف قیاس ہے کہ وہ اپنے خلیفہ و جانشین کے بعد ۳۰ سال تک زندہ رہے ہوں اور حضرت شیخ شرف الدین احمد نے ان کو چھوڑ کر اُن کے خلیفہ سے بیعت کی ہو اسلئے صاحب نزہۃ الخواطر کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ان کا انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں ہو

عالم اندپتی[1] جامع فتاوی تتارخانی
یکے از مریدان وے بود نظمہائے با معنی دار
مناقب خواجہ نجیب الدین فردوسی ہمہ
مستور بود رحمۃ اللہ علیہ[2]

شان تھی، اُن کے مریدین میں بڑے بڑے عارف اور
محقق تھے، مولانا عالم اندپتی، فتاوی تاتارخانی
کے مؤلف اُنکے مرید تھے، بڑی عارفانہ نظمیں اُن کے
قلم سے نکلی ہیں، خواجہ نجیب الدین فردوسی کے
تمام کمالات پردۂ خفا میں تھے۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] اس سے مراد مولانا فرید الدین عالم ابن العلا حنفی اندرپتی ہیں، فتاوی تاتارخانیہ ۷۷۷ھ میں تصنیف کر کے اپنے دوست امیر کبیر تاتارخاں کے نام سے موسوم کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ اس کے نام سے موسوم ہو، مگر اس کو قبول نہیں کیا۔ وفات غالباً ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر (جلد ثانی)۔

[2] مناقب الاصفیا، صفحہ ۱۲۶

باب سوم

مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت

اور

ارشاد و تربیت

دہلی سے واپسی

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ: خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے بیعت کرنے کے بعد تحریری اجازت نامہ بھی حوالہ کیا۔ شیخ شرف الدین نے عرض کیا کہ: مجھے تو ابھی خدمت والا میں کچھ روز رہنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا، اور میں نے سلوک کی تعلیم بھی ابھی جناب سے حاصل نہیں کی، میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برآ ہوسکوں گا؟ خواجہ نجیب الدینؒ نے اُن کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارۂ غیبی سے ہوا ہے اور اُن کی تربیت نبوت کی طرف سے ہوگی۔ اسکے بعد اُن کو رخصت فرمایا اور کہا کہ:

"جب راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں"

چنانچہ ایک ہی دو منزل طے کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات کی اطلاع ملی، آپ نے حسب وصیت

سفر جاری رکھا۔ اور منیر کی طرف روانہ ہوئے[1]

شورشِ عشق آپ خواجہ نجیب الدینؒ سے رخصت ہوئے تو دل پر ایک چوٹ سی تھی، عشق الٰہی کی حرارت رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں سرایت کر چکی تھی۔ فرماتے ہیں :-

من چوں از خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ پیوستم	میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے ملا
حزنے در دلم نہادہ شد کہ ہر روز آں	ایک حزن اور درد میرے دل میں بیٹھ گیا جو
حزن زیادہ می شد[2]	دن بدن بڑھتا ہی جاتا رہا۔

جب آپ بہیا[3] پہنچے اور مور کی جھنکار سنی تو دل میں ایک ہوک اٹھی اور صبر و ضبط کا یارا نہ رہا، گریبان چاک کر جنگل کی راہ لی اور روپوش ہو گئے۔ بھائیوں اور سفر کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا کچھ سراغ نہ ملا آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدینؒ کے تبرکات لے کر واپس آ گئے۔ اور یہ سب چیزیں والدہ صاحبہ کے حوالہ کیں[4]

راجگیر کے جنگل میں منقول ہے کہ آپ بارہ برس تک بہیا کے جنگل میں رہے کسی کو خبر نہ ہوئی، اسکے بعد آپ کو راجگیر[5] کے جنگل میں بھی دیکھا گیا لیکن کسی کو ملاقات کی

---

[1] مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۳۲ و ۱۳۳
[2] " " صفحہ ۱۳۳
[3] بہیا منیر سے تقریباً تیس میل مغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہے۔ اس وقت ای۔ آئی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے
[4] مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۳۳
[5] ڈاکٹر ہنٹر گزیٹیر میں لکھتا ہے:۔۔۔ راجگیر کے پہاڑ دو قطار متوازی الخط کی صورت میں جنوبی و مغربی سمت کو چلے گئے ہیں جن کے درمیان ایک تنگ وادی ہے جس کو جگہ جگہ نالے اور درے قطع کرتے ہیں، یہ پہاڑ جو کسی جگہ ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہیں ہیں عظیم الشان چٹانوں سے مرکب اور گھنی گھنی جھاڑیوں سے مزین ہیں اور ایک خاص قدیمی (بقیہ صفحہ ۱۹۸ پر)

نوبت نہ آئی، یہ پہاڑ اور جنگل ہر فرقہ اور ملت کے مرتاض لوگوں کا گوشۂ عزلت رہا ہے، گوتم بودھ نے بھی برسوں یہاں بیٹھ کر دھیان جمایا، جس وقت مخدوم صاحبؒ یہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے اُس وقت یہاں ہندو جوگی بھی جابجا خلوت نشین تھے۔ کتابوں میں ان ہندو جوگیوں کے ساتھ آپ کے متعدد مکالمے منقول ہیں۔ دامن کوہ میں ایک گرم جھرنے سے متصل آپ کا حجرہ اب بھی موجود ہے، اور "مخدوم کنڈ" کے نام سے بھی ایک جھرنا مشہور ہے۔

یہ بارہ برس کا عرصہ ریاضات و مجاہدات، خلوت و مراقبہ، تحیر و گشتگی اور بے خودی اور مستی میں گزرا، جنگل کی پتیاں غذا کا کام دیتی تھیں، اس زمانہ کی ریاضتوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی زاہد سے فرمایا کہ: "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہو جاتا، لیکن شرف الدین کچھ نہ ہوا۔" آپ کے بیان کئے ہوئے ایک واقعہ اور انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور محنت شاقہ پر زیادہ مطمئن نہیں تھے۔ غسل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں آپ نے عزیمت کے خلاف سمجھتے ہوئے شریعت کی دی ہوئی رخصت پر عمل نہیں کیا تھا، سخت سردی میں ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ فرمایا کہ :- (اس بلاضرورت مشقت) کا خلعت یہ ملا کہ اُس دن فجر کی نماز

(صؐ ۱۹۷ کا بقیہ حاشیہ) دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ اُن پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں۔ . . . .

جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ: چینی سیاح ہیوین سیانگ (HIVEN TSIANG) نے جو کپوٹیکا (KAPOTICA) پہاڑی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے، گرم جھرنے یہاں بہت ہیں۔ . . . .

ڈاکٹر بکینن ہیملٹن (BUCHANEN HEMILTON) کہتے ہیں کہ:- یہ راجگیر وہی ہے جو آج گریہا ہے جو بودھ گنّا کا مسکن تھا اور قدیم مگدھ کا پایۂ تخت تھا، ینارا جگیر دو ثلث مربع میل پر پُرانے شہر سے واقع ہے۔

(سیرۃ الشرف باختصار صؐ ۶۵ و صؐ ۶۶)

قضا ہو گئی[1]

بہار کی سکونت اور خانقاہ کی تعمیر

اسی زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے ایک خلیفہ اور انہی کے ہمنام مولانا نظام الدین بہار میں رہتے تھے، جو مولانا نظام مولی کے نام سے مشہور تھے، اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ راجگیر کے جنگل میں گئے اور مخدوم صاحبؒ سے اُن کی ملاقات ہوئی، تو اُن کو بھی ملاقات کا شوق ہوا، انھوں نے اور اُن کے بعض بعض معتقدین نے جاکر ملاقات کی، وہ وقتاً فوقتاً جنگل میں جاکر مخدوم صاحب سے ملتے۔ مخدوم صاحبؒ نے ان کی طلب صادق اور اخلاص دیکھا تو فرمایا کہ۔ یہ جنگل خطرناک ہے، مجھے تمہارے آنے سے فکر پیدا ہوتی ہے، تم لوگ شہر ہی میں رہو، میں جمعہ کے دن شہر آجایا کروں گا اور جامع مسجد میں ملاقات ہو جایا کرے گی۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔ مخدوم صاحب جمعہ کے دن تشریف لاتے اور ایک گھڑی مولانا نظام الدین اور اُن کے دوسرے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو واپس چلے جاتے تھے ایک مدت اس طرح گزر گئی تو اُن معتقدین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی جگہ بنانی چاہیے جہاں آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر کچھ دیر استراحت فرمالیا کریں۔ چنانچہ بیرون شہر جہاں آج آپ کی خانقاہ واقع ہے، انھوں نے دو چھپر ڈال دیئے جب آپ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے، اس جگہ دوستوں کے ساتھ نشست فرماتے، اور کبھی ایک دو روز ٹھہر بھی جاتے۔ اسکے بعد مولانا نظام الدین نے مجد الملک صوبہ دار بہار سے اجازت لیکر اپنے مال مزکی میں سے ایک پختہ عمارت بنوادی۔ جب وہ عمارت تیار ہوئی تو وہاں آپ نے ایک دعوت کی جس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے متوسلین شریک ہوئے، اور انھوں نے مخدوم صاحب سے سجادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے سجادہ کو زینت بخشی، اور مولانا نظام الدین اور حضرت خواجہؒ کے مریدین کی طرف

---

[1] سیرۃ الشرف ص۱۰۰

متوجہ کر کے فرمایا کہ :-

"دوستو! تمہاری نشست و برخاست نے مجھے اس بت خانہ میں بٹھایا۔"[1]

یہ واقعہ ۷۲۱ھ اور ۷۲۵ھ کے درمیان پیش آیا[2]۔ یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہدِ حکومت ہے۔

۷۲۵ھ میں سلطان محمد تغلق اپنے والد کا جانشین اور سریر آرائے سلطنت ہوا، سلطان کو مشائخ وصوفیا اور اہل قلوب کو گوشۂ عزلت سے باہر لانے اور نمایاں طریقے پر خلقِ خدا کی خدمت ورہنمائی پر آمادہ کرنے کا بڑا شوق تھا، اور اس میں وہ بڑا ساعی و بجد رہا کرتا تھا۔ اسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کو لشکر شاہی کی معیت پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہؒ کے دوسرے خلفاء مولانا فخر الدین زرادیؒ و مولانا شمس الدین یحییٰؒ وغیرہ کو منبروں پر چڑھ کر تقریر کرنے اور جہاد کی ترغیب دینے پر مجبور کیا۔ شیخ قطب الدین منور ہانسویؒ کو ان کے گوشۂ خلوت سے نکال کر دہلی طلب کیا[3]، جب اس کو پرچہ نویسوں کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ مخدوم صاحبؒ سالہا سال جنگل میں رہنے اور خلائق سے انقطاع رکھنے کے بعد شہر میں تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو اس نے مجد الملک صوبہ دار بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے، اور پرگنہ راجگیر فقراءِ خانقاہ کے خرچ کیلئے ان کے حوالہ کیا جائے، اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، اسی کے ساتھ ایک مصلّائے بلغاری

[1] مناقب الاصفیاء، ص ۱۳۱

[2] مولوی سید ضمیر الدین احمد مصنف "سیرۃ الشرف" نے بہت سے قرائن اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی سکونت پذیری کا زمانہ مابین سنین ۷۲۱ھ اور ۷۲۵ھ کے تھا۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرۃ الشرف ص ۸)

[3] تفصیل اسی کتاب میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے تذکرہ کے باب ششم میں گذر چکی ہے۔ ۱۷۰

خدمت میں بھیجا۔

جب یہ فرمان شاہی مجد الملک کو پہونچا، تو وہ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ میں اس کی تعمیل کروں، لیکن اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری حکم عدولی اور کوتاہی پر محمول کیا جائے گا، اور بادشاہ کا طرزِ عمل سب کو معلوم ہے، خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مخدوم صاحبؒ نے جب مجد الملک کی مجبوری کو ملاحظہ فرمایا اور اس کا اصرار دیکھا، تو بادل ناخواستہ اس کو قبول فرمایا، لیکن سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا، تو آپ نے جاگیر سے قطع تعلق فرمایا[1]۔ خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہوگئی۔

سیرۃ الشرف میں ہے:۔

"خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی، اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہوگئی۔ مجد الملک نے تمام لنگر داروں اور اربابِ تصوف اور مریدانِ شیخ نظام الدینؒ کی دعوت کی۔ شروع مجلس سے آخر تک جماعت خانہ کے صحن میں سماع ہوتا رہا، ایک مقام علیحدہ جس میں ایک حجرہ اور ایک رواق تھا، مخدوم کیلئے درست کیا گیا تھا، اور وہی مصلائے بلغاری جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بچھایا گیا، مخدومؒ اس پر متمکن ہوئے، ایک مسافر درویش جو مجلس میں حاضر تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر مخدوم کے حجرہ میں آیا، مخدوم اس کی جانب مخاطب ہوئے، اور آپ نے فرمایا، کہ:۔ یہ منزل اور مقام تمہارا ہے، میں تو مجد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعتِ اولی الامر سے چارہ نہیں ہے اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائیکہ مصلّٰی کے لائق ہوتا۔"

[1] مناقب الاصفیاء، ص ۱۳۵

اُس فقیر نے کہا:۔

"مخدوم! تم کو خانقاہ اور مصلّٰی کی وجہ سے کون پہچانتا ہے، تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوتِ باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔"

مخدوم ؒ نے فرمایا کہ:۔

"جو فقراء کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔" اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

"آں راکہ خود سلطان بود او ہر چہ گوید آں بود"

افادہ وارشاد کم سے کم ۷۲۴ھ سے لیکر ۷۸۲ھ (جس میں آپ کی وفات ہوئی) تک نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت وارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گذرا، شیخ حسین معز شمس بلخی کے بقول اِس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے۔ متعدد ہندو فقیروں اور مرتاض جوگیوں کے قبولِ اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہونچنے کے واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی، اہل عقیدت اور اہلِ طلب ان مجالس میں شریک ہوتے، جن لوگوں کو کوئی بات دریافت کرنی ہوتی وہ دریافت کرتے اور جواب شافی پاتے۔ ان مجالس کا کوئی مستقل و متعین موضوع اور ان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالتا ارشاد فرماتے، یا کسی بات کے فرمانے کی کوئی مناسب تقریب یا تحریک پیدا ہوتی تو حسب حال کچھ فرماتے۔ یہ مجالس بڑے گہرے معارف و حقائق اور تصوّف کے

دقیق نکات ولطائف پر مشتمل ہوتی تھیں۔ زین بدر عربی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں "معدن المعانی" کے خطبہ میں لکھتے ہیں کہ :-

"در ہر مجلسے ومحلے البتہ از طالبان صادق
ومریدان واثق وبندگان موافق کہ حاضر
بودند ہر کسے در خورد حال وکار خود ایراد
سوالے از طریقت والتماس بیان از
شریعت ودر خواست اشارتے از حقیقت
وطلب اظہار رموز معرفت عرض می داشتند،
بندگی مخدوم نامور وشیخ دین پرور در مقابلۂ
سوال سائل جواب شافی وبیان کافی
بعبارات دلپذیر واشارات بے نظیر
ارزانی می داشت، از ہر عبارتے صد
معانی غیبی مستفاد واز ہر اشارتے ہزار لطیفہ
لاریبی مراد، از ہر معنی مفہومات بے نہایت
واز ہر لطیفہ ادراکات بے غایت،
از ہر مفہومے حالات بے شمار واز ہر ادراکے
مقامات بسیار، از ہر حالتے ذوقے کہ
آں را میزان بیان نہ سنجد واز ہر مقامے
خبرے کہ در جہان نشان نگنجد۔

ہر مجلس اور ہر موقع پر طالب صادق اور
مریدین راسخ الاعتقاد اور حاضرین مجلس
جو مناسبت رکھتے تھے وہ طریقت کے
بارے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی
تعلیم کی وضاحت کی درخواست کرتے اور
معرفت کے اسرار ورموز سننا چاہتے تھے
حضرت مخدوم ہر سائل کو جواب شافی
مرحمت فرماتے اور بڑے دلپذیر طریقے پر
اُس کی تشفی کرتے، آپ کے ارشادات
بڑے بڑے لطیف نکات اور بڑے قیمتی
فوائد ولطائف پر مشتمل ہوتے، اور ہر سائل
اور سوال کے حسب حال ایسی تقریر فرماتے
کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا جو
الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا
اور ایسے مقامات کا پتہ چلتا
جن کی اس محدود عالم محسوسات میں
گنجائش نہیں۔

قطعہ

نشان ایں نتواں دید جز بدیدۂ پاک ✤ کہ آفتاب شناسی بہ بے بصر نہ رسد

بہ ہیں دگر نہ ملامت بدیدگان نہ ازاں کہ ✤ زبانِ تپ زدہ را طعنہ بر شکر نہ رسد

بعض مرتبہ دینیات یا تصوف کی کتاب بھی مجلس میں پڑھی جاتی، مخدوم ایک ایک مسئلہ کی تشریح فرماتے، فقہ، اصول حدیث، تفسیر، تصوف، سب پر گفتگو ہوتی، اہلِ مجلس بالخصوص اہلِ علم استفادہ کرتے۔

ارشاد و تربیت کا دوسرا ذریعہ (خصوصاً اُن لوگوں کیلئے جو کسی اور مقام پر ہوتے) آپ کے مکتوبات تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ (جن کے مکتوبات ایک زندۂ جاوید کارنامہ اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں) شاید کسی نے اپنے قلم اور زورِ تحریر سے اور خطوط و مکتوبات کے ذریعہ اتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اور دیرپا وسیع اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا، جیسا آپ نے، نہ صرف تصوف کے ذخیرہ میں بلکہ علوم و معارف، نکات و لطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص امتیاز رکھتا ہے، اور اپنی تاثیر، ادب و انشاء کی قوت، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہوں گی۔ ان مکتوبات نے حضرت مخدومؒ کے زمانہ میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی، اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ بھی جن کے نام اصالتاً یہ خطوط لکھے گئے تھے صدہا اشخاص نے ان سے شیخ کامل و محقق کے انفاس و توجہات کا فائدہ اٹھایا۔ حضرت مخدومؒ کی وفات کے بعد ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے اُن سے فائدہ اٹھایا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا، اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و تقریر کی، اور صدیاں گذر جانے کے بعد آج بھی ان میں ایسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے، اور ان کے الفاظ تیر و نشتر کی طرح دل کے پار ہو جاتے ہیں۔

باب چہارم
صفات وخصوصیات

فنائیت آپ کی سب سے نمایاں صفت جو آپ کا مزاج و مذاق بن گئی تھی، اور جس کے بارے میں آپ بالکل بے اختیار تھے، وہ صفت نیستی اور فنائیت ہے جو مجاہدہ و ریاضت کے اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طریق کے بلند ترین کمالات میں سے ہے۔ آپ کے مکتوبات کے لفظ لفظ اور آپ کے ارشادات کے حرف حرف سے اس کا اظہار ہوتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا:-

"آخر ما جیب تمنا تہی"

سلسلۂ کبرویہ کے مشائخ کا یہ شعار خاص اور امام طریقہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی یہ میراث تھی جس کے آپ پورے طور پر وارث ہوئے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک موقع پر مشائخ عصر جمع تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا۔ جب آپ کی باری آئی تو فرمایا کہ:-

"آرزوئے من آنست کہ نام من	میری آرزو یہ ہے کہ نہ اس دنیا میں
نہ دریں جہاں باشد و نہ	میرا نام و نشان رہے، نہ

دراں جہاں[1]"	اُس دُنیا میں۔

اس فنائیت و بے نفسی کا اظہار آپ کے اِس جملہ سے ہوتا ہے :—

''ہمہ تلبیس شیطان ماندہ ام نہ از خود خبرے نہ از اسلام اثرے''۔

ایک مکتوب میں اپنے حالِ زار پر نوحہ و ماتم کی ضرورت و فضیلت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر اپنا حال اور اپنی کیفیت کا اظہار ہے۔ فرماتے ہیں :—

''گفتۂ عارفانست کہ خدا ثم خدا کہ ہیچ
آوازے نزدیک خدائے تعالیٰ محبوب تراز
آواز نوحہ کردن بر خویشتن نیست پس امروز
شاید کہ صدیقان ایں راہ و خداوندان دین
نوحہ گری از خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ
بیاموزند، اے برادر ہر کہ او را در ہر لحظتی
بر خویشتن ماتم و نوحہ گری نیست بلائے
است پر از غفلت بقیامت مرداریست
پر از حسرت، ایں چہ طمعہا، فاسد است
کہ امروز ہر کسے را افتادہ است،
جاہ و حشمت و نفاذ امر و نہی می باید،
و عزّ و ناز دُنیا می باید، و عزّت

عارفین کا قول ہے کہ خدا کی قسم، پھر خدا کی قسم!
خداوند تعالیٰ کو اپنے آپ پر رونے کی آواز سے
زیادہ کوئی آواز پیاری نہیں ہے، بس چاہئے کہ
آج اس راہ کے صدیق اور دین کے پیشوا ماتم خوانی
خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے سیکھیں۔
اے بھائی! جو کوئی ہر لحظہ اپنے آپ پر ماتم اور
آہ و فغاں نہیں کرتا، وہ ایک مدعی ہے جو قیامت
سے غافل ہے اور ایک مردار ہے جس کا دل حسرتوں سے
بھرا ہوا ہے، یہ کیا جھوٹی خواہشات ہیں کہ آج
ہر سر میں ان کا سودا ہے، ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دُنیاوی
جاہ و جلال ہونا چاہئے، اور ہمارے احکام کے
امر و نہی کا نفاذ ہونا چاہئے اور دُنیا کی ناز و نعمت

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۹

ہونی چاہیے اور عزت اور اس کا ہمیشہ اظہار ہونا چاہیے، اور پھر اس سب کے ساتھ خداوند تعالیٰ کیساتھ	وتماشائے علی الدوام می باید و بایں ہمہ آشنائی با حضرت خداوند می باید۔"

آشنائی بھی ہونی چاہیے، خدا کی قسم یہ ناممکن ہے۔

رُباعی

جاں بازکہ وصل او بدستاں ندہند ؛ شیر از قدح شرع بمستاں ندہند

آں جاکہ بہم می ہمہ مرداں نوشتند ؛ یک جرعہ ازاں بخود پرستاں ندہند[1]

ایک دوسرے مکتوب میں جس میں نیستی خود شکنی اور نفس دشمنی کی نصیحت فرمائی ہے، وہ سراسر اپنا حال اور اپنی تصویر ہے، اور یقیناً یہ مکتوب اس مرتبۂ کمال پر پہونچنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ مردانِ خدا اور کاملینِ طریق خود کسی مقام پر پہونچے بغیر اس مقام کی دعوت کو نفاق اور لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفْعَلُونَ کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

جبکہ تو اپنے یا اپنے مولیٰ کے دروازہ پر حلقہ زن ہے اور اس دروازہ پر آگیا ہے تو مٹی کو مٹی اور تمام دعاوی سے پاک و صاف ہوجانا چاہیے، اگر تو ہزاروں شاہانہ تاج بھی اپنے سر پر رکھ لیوے لیکن جو خاک کی اصلیت ہے یعنی "چہرۂ گدائی" اور "رنگِ بینوائی" اس کو تو کیا کریگا، گرد جو	"چوں حلقہ بر در زنی و بردر آئی خاک را خاک بایدبود و از ہمہ دعوی پاک باید بود، اگر ہزار تاج ملکانہ بر سر نہی چہرۂ گدائی و رنگ بے نوائی کہ خاک را اصلی است چہ کنی گردی کہ بر روئے نشیند، با آب برخیزد، امارنگ و روئے با آب برنخیزد۔"[2]

اُوپر ہی اوپر بیٹھ جایا کرتی ہے پانی سے دُھل جایا کرتی ہے لیکن اصلی رنگ روپ پانی سے دُھل نہیں سکتا۔

[1] مکتوب یازدہم۔ [2] مکتوب بست و ہفتم۔

ایک دوسرے مکتوب میں بغیر کسی اشارے، و کنایہ کے صاف صاف اپنی ہی طرف منسوب کرکے اپنی بدحالی کا شکوہ اور ماتم فرماتے ہیں:۔

"مادیران وطوشان راکہ بندگان دنیا واسیر عادتیم وزنارداران راہ غفلتیم جز عادت پرستی کارے نہ و جز غفلت گری شعاری نہ راہ مردان دین رفتن ودعوئ توحید کردن از بے باکی ونابینائی است، جہود و ترسا و کلیسا و بتخانہ را ازما ننگ است[1]"

ہم شامت زدہ صاحب بار اور آلودہ جو کہ دنیا کے بندے اور خواہش عادت کے قیدی اور راہ غفلت کے "زنار دار" ہیں، ہمارا کام عادت پرستی کے سوا کچھ نہیں اور غافلوں کے سوا کہیں ہمارا شعار نہیں، ہمارا مردانِ خدا کے راستہ پر چلنا اور توحید کا دعوئ کرنا بیباکی اور اندھے پن کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں اور آتش پرستوں کو اور کلیسا اور بتخانہ کو ہم سے شرم آتی ہے۔

آپ سے جو مناجات منقول ہے، وہ آپ کی دل کی کیفیت کی پوری ترجمان اور آپ کے جذبات اور احساسات کا سچا مرقع ہے۔ فرماتے ہیں:۔ ؎

خالقا بیچارۂ را ہم ترا ✤ ہیچو مورے لنگ در چاہم ترا

نے تنے نے دولتے نے حاصلے ✤ نے نوائے نے قرارے نے دلے

دین زدستم رفت دُنیا گم شدہ ✤ صورتم وا ماندہ معنی گم شدہ

من نہ کافر نے مسلماں زادہ ام ✤ درمیان ہر دو حیراں ماندہ ام

نے مسلمانم نہ کافر چوں کنم ✤ ماندہ سرگردان ومضطر چوں کنم

---

[1] مکتوب سی ام۔۱۲

یارب اشک وآہ بسیاریم ہست ⁂ گر ندارم ہیچ ایں باریم ہست
ہم تن زندانیم آلودہ شد ⁂ ہم دل محنت کشم فرسودہ شد
ماندہ ام درچاہ زنداں پائے بست ⁂ درچنیں چاہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن از راہ صحن جانِ من ⁂ پس بشو از اشک من دیوانِ من
گرچہ بس آلودہ در راہ آمدم ⁂ عفو کن گر حبس واز چاہ آمدم

اِس فنائیت کا قدرتی و لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذم خلائق آپکے حق میں یکساں تھے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں اور درحقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں :۔

اہل معرفت را از مدح و ذم و قدح خلق چہ زیاں، کہ نزدیک ایشاں مدح و قدح خلق ہر دو یکے است نہ ممدوح خلق ممدوح است و نہ مذموم خلق مذموم است ممدوح حق ممدوح است، و مذموم حق مذموم است۔	اہل عرفان کو مخلوق کی تعریف و ثنا اور ہجو و تردید سے بھلا کیا نقصان! کہ اُنکے نزدیک تو مخلوق کی ہجو و ثنا برابر ہے، اچھا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور بُرا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک بُرا ہے بلکہ ممدوح وہی ہے جو حق تعالیٰ کا ممدوح ہے اور مذموم وہی ہے جو حق تعالیٰ کا مذموم ہے۔

کسی فارسی کے قدیم شاعر نے گویا آپ ہی کے متعلق کہا ہے ۔ ؎

گرفتارِ کمندِ خوبرویاں

نہ از مدحت خبر دارد نہ از ذم

اس نیستی و از خود رفتگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ مقبولین بارگاہِ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہے اُسکی بنا پر آپ سے کرامات اور خوارق کثرت سے سرزد ہوتے تھے، لیکن اپنے اس مزاج و حال کی وجہ سے

اظہار کرامت سے بڑا تنفّر تھا، اور کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے آپکے مرتبہ و مقبولیت عنداللہ کا اظہار ہو۔ صاحب مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں :۔

"اگرچہ اکثر کارہائے وے مبنی بر خرق عادت و کرامت بود اما از اظہار آں کرامت بیزار بود شکستگی و بینوائی ظاہر کرد، اگر کسے استمداد در کارے و حاجتے خواستے حوالہ بمیران جلال دیوانہ کردے[1]"	اگرچہ آپکے کاموں کا دارومدار خرق عادت اور کرامت پر تھا، لیکن آپ کرامت کے اظہار سے بیزار تھے اور شکستگی اور بینوائی ظاہر کرتے تھے، اگر کوئی شخص کسی کام یا کسی حاجت کیلئے مدد طلب کرتا تو اُس کو میران جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔

یہ وہ دَور تھا جس میں بزرگوں کی کرامات و خوارق کا گھر گھر چرچا تھا، اور عوام انھیں کو خدا رسیدگی اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی کچھ مری ہوئی مکھیاں لیکر آپکے پاس آئے، اور کہا کہ مشہور مقولہ ہے کہ :۔ "الشیخ یحیی و یمیت" شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، آپ حکم دیجئے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں ؟۔ آپ نے فرمایا کہ :۔ "میں خود درماندہ ہوں، دوسرے کو کیا زندہ کردوں گا۔"

علو اخلاق

صوفیائے کرام کے اخلاق مشکوٰۃ نبوت کے نور سے فیضیاب اور منور ہوتے ہیں، اسلئے ان حضرات کے اخلاق اسی ذات گرامی کے اخلاق کا پرتو ہے، جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ :۔ "انک لعلی خلق عظیم" صاحب مناقب الاصفیا

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۵

نے لکھا ہے کہ :"اخلاق شیخ شرف الدین مانند اخلاق نبی بود[1]"

آپ کے نزدیک اخلاقِ نبویہ سے آراستہ ہونا اور سیرتِ نبویؐ کے سانچہ میں ڈھلنا جتنا ضروری تھا، اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات کے ان اقتباسات سے ہوگا۔ درحقیقت یہ خود آپ کا حال تھا جس کو ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا جا رہا ہے :-

"و این اخلاق است کہ در طریقت شعار ارباب علوم گشتہ کہ در ہمہ احوال اقتدا بشریعت دارند و اخلاق خویش را بر محک سنت امتحان کنند و ہر کہ در شریعت محقق نباشد وے را از طریقت ہیچ فائدہ نبود[2]"

اور (اصل) اخلاق یہ ہیں جو کہ طریقت میں اہلِ علم کا شعار بن گیا ہے کہ وہ اپنے احوال میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے اخلاق کو سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور جو کوئی شریعت کی تحقیق نہیں کر لیتا اُسے طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

ہر کہ بمتابعت شرع راسخ تر نیکو خوی تر و ہر کہ نیکو خوی تر بر درگاہ خداوند عزیز تر چوں خلق نیکو میراث آدم است و تحفہ خداوند عالم است کہ بدو دادہ است، لابد ہیچ پیرایہ و زینت نباشد مومن را نیکو تر از خلق نیک و اصل خلق نیکو امتثال

جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا راسخ زیادہ ہے اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہے اور جو جتنا خوش خلق زیادہ ہے بارگاہِ خداوند تعالیٰ کا محبوب زیادہ ہے جبکہ اچھا اخلاق آدم علیہ السلام کی میراث اور خداوند عالم کا عطا کردہ تحفہ ہے پس لازماً مومن کیلئے اچھے اخلاق سے بڑھ کر کوئی

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۳۲ [2] مکتوب پنجاہ و نہم۔

فرمان خداوند است و متابعت شرع رسول وے صلی اللہ علیہ وسلم کہ حرکات وافعال سید کائنات علیہ افضل الصلوات والسلام ہمہ پسندیدہ بودہ است و ہر کہ متابعت وے دارد باید کہ در معیشت چنان زندگانی کند کہ او کردہ است[1]"

اور اچھا طریقہ اور کوئی اور زیب وزینت کی چیز نہیں ہے' اور اچھے اخلاق کی حقیقت خداوند تعالیٰ کے احکام کی بجاآوری اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی کرنا ہے' کیونکہ سید کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے تمام افعال وحرکات ہمیشہ خلق وخالق کے نزدیک پسندیدہ رہے ہیں'

اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اُسے چاہئیے کہ اپنی زندگی اس طرح گزارے جس طرح آپؐ نے گزاری ہے۔

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے ان اخلاق میں بھی کامل اتباعِ نبوی کی پوری پوری کوشش کی، اور آپ کے اخلاق، خلق خدا کے ساتھ برتاؤ، اس کے حال پر رحمت وشفقت، مخلوق کے عیوب کی پردہ پوشی، اور بندگانِ خدا کی دلجوئی ودلداری میں آپ صاحبِ خُلقِ عظیم کے ایک متبع اور اخلاقِ نبوی کا ایک نمونہ تھے۔

رحمت وشفقت آپ بڑے نرم دل، بندگانِ خدا کے حق میں بڑے کریم وشفیق، دوست پرور اور دشمن نواز تھے۔ عارف اور مردِ خدا کا مقام وطریقِ زندگی بیان کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی سچی تصویر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"رحمت وشفقت او برہمہ تابد خود نخورد

اس کی رحمت وشفقت کا آفتاب ہر ایک پر

[1] مکتوب پنجاہ ونہم۔ ۱۲

بخلق دہد خود بنوشد بخلق پوشاند بزخم
مردمان ننگرد و بجفا ایشاں نہ بیند،
شفیع ظالم خود بود جفارا بوفا پیش آید
دشنام را بدعا و ثنا مقابلہ کند، ایں
دانی چیست از بہر آں کہ وے محفوظ است
از ساحت دل وے جز باد راحت بر خلق
نوزد، او در شفقت چوں آفتاب بود
بر دشمن ہمچناں تابد کہ بر دوست در تواضع
چوں زمین بود ہمہ خلق پائے بر وے نہند
او را با کس خصومت نہ، دست تصرف وے
از خلق کوتاہ بود، ہمہ خلق عیال وے بود
او عیال کس نہ بود و در سخاوت چوں دریا بود
دشمن را ہمچناں بخشد کہ دوست را،
عین رحمت شدہ بر کافۂ خلق شرق
و غرب زیرا کہ آزاد بود ہر چہ بیند
از یکجا بیند دیدہ اش دیدۂ جمع بود
و ہر جزو وے از اجزائے وے را
ہمچنیں خلقے پوشانند و ہر کہ
بدیں صفت بود او را در طریقت ہیچ

چمکتا ہے، خود نہیں کھاتا، لوگوں کو کھلاتا ہے
خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہناتا ہے، لوگوں سے
اُسے جو تکلیف پہنچتی ہے اُس کی طرف نگاہ
نہیں کرتا اور اُن کے ظلم کو نہیں دیکھتا، اپنے پر
ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے، جفا کا بدلہ
وفا سے دیتا ہے، گالی کا جواب دُعا و ثنا
سے دیتا ہے، تو جانتا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں
کرتا ہے؟ اسلئے کہ وہ محفوظ ہے، اُس کے
دل کی فضا سے سوائے بادِ راحت کے خلق پر
کوئی ہوا نہیں چلتی، وہ شفقت میں آفتاب
کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست پر
چمکتا ہے اُسی طرح دشمن پر چمکتا ہے۔
تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام
مخلوق اُس پر پاؤں رکھتی ہے، وہ کسی کے ساتھ
جھگڑا نہیں کرتا، مخلوق پر دست درازی
کرنے سے اُس کا ہاتھ کوتاہ ہوتا ہے، تمام
مخلوق اُس کی عیال ہوتی ہے لیکن وہ کسی کا
عیال نہیں ہوتا، سخاوت میں دریا کی طرح
ہوتا ہے، دشمن کو اُسی قدر نوازتا ہے جس قدر

قدمے نبود ''[1] | دوست کو مشرق و مغرب کی جملہ مخلوقات پر

رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے، جو کچھ دیکھتا ہے
ایک ہی جگہ سے دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اُسی ذات پاک سے منسوب
سمجھتا ہے) اُس کی آنکھ '' اہل جمع '' کی آنکھ ہوتی ہے، اسکے وجود کے
اجزا میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے، اور جو ان
اوصاف سے موصوف نہ ہو اُس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام
حاصل نہیں ہوتا۔

اِس رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندۂ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے شیخ سعدیؒ کے اس مقولہ پر عمل رہا ہے کہ: '' آزردن دلِ دوستاں جہل است وکفارہ یمین سہل ''

ایک مرتبہ آپ نفل کا روزہ رکھے ہوئے تھے، ایک شخص بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے یہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے اُسی وقت تناول فرمالیا اور فرمایا:

'' روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں ''

اس کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی کی اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی، اور آپ نے اُس کے

---

[1] مکتوب بست و چہارم۔

پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ: "یہ شخص شراب خوار ہے؟" آپ نے فرمایا کہ "ہر وقت نہیں پیتا" لوگوں نے کہا کہ: "ہر وقت پیتا ہے" فرمایا: "رمضان میں نہیں پیتا ہوگا"[1]

دنیا سے بے لوثی اور بے تعلقی

معرفتِ حقیقی اور عشقِ کامل کا نتیجہ قدرتی طور پر دنیا کے دول سے بے رغبتی اور خشک دامنی ہے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں دو شعر لکھے ہیں، وہ بالکل اپنا ہی حال ہے۔ ؎

من پاکباز عشقم تخم غرض نہ کارم ٭ پشت و پناہ فقرم پشتِ طمع ندارم
نہ بند خلق باشم نہ از کسے ہراسم ٭ مرغ کشادہ بالم برگِ قفس ندارم

آپ نے مجد الملک کے پاسِ خاطر سے اور اس کو محمد تغلق کے عتاب سے بچانے کیلئے خانقاہ کیلئے جو جاگیر بادل ناخواستہ قبول فرمائی تھی وہ فقیر دوست اور کریم النفس بادشاہ فیروز تغلق کے عہد میں واپس کردی، اور اگر سیرۃ الشرف کی وہ روایت صحیح ہے جو مونس القلوب کے حوالہ سے لکھی گئی ہے، تو دہلی تشریف لے جاکر پروانۂ جاگیر بادشاہ کے حوالہ کردیا، اسکے بعد خانقاہ کی تعمیر و توسیع سے کوئی تعلق اور دلچسپی نہیں رکھی، اگر کوئی اس کا مشورہ دیتا تو طبعِ عالی پر گراں گذرتا۔ صاحب گنج لایخفیٰ لکھتے ہیں کہ: ۔

"شیخ حمید الدینؒ مخدوم کے دوست تھے، خلوتوں میں آپ کے ساتھ رہتے تھے ایک بار آدھی رات گذرے مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شب ماہ تھی، مخدوم باہر نکل آئے اور صحن میں دیوار کے قریب بیٹھ گئے، شیخ حمید الدین بھی ایک ساعت بیٹھے رہے، تھوڑی دیر بعد بولے کہ اگر یہ چبوترہ کچھ بڑھ جائے تو صحن مصفا نظر آئے، مخدوم اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے

---

[1] مناقب الاصفیاء ص۱۴۱ (غالباً یہ واقعہ رمضان کا ہوگا)۔۱۲

جاتا تھا کہ اس نیم شب میں امورِ دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہوگی اُس کے حل کے لئے آپ تشریف لائے ہیں، لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میں بر سر غلط تھا، آپ فرماتے ہیں کہ چبوترہ بڑھاؤ، یہ کہتے کہ اس بتخانہ کو چُن کر ویران کر دو[۱]۔"

علوئے ہمّت

آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیات و کمالات کا راز آپ کی جبلی بلند ہمتی اور علوِ حوصلہ ہے جو آپ کے حالاتِ زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے آپ نے اپنے اہلِ تعلّق اور احباب و خدّام کو ہمیشہ علوئے ہمّت اور وسعتِ طلب کی ترغیب و تاکید کی ہے، یقیناً اس پر سب سے زیادہ عمل آپ ہی کا ہوگا، ایک خط میں بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر علوِ ہمّت کی تعلیم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں :-

"ہر چند تو پستی ہمت بلند دار اے برادر ہمتِ مرداں بہیچ چیزے فرو نیاید، آسمان و زمین عرش و کرسی و بہشت و دوزخ بار ہمت ایشاں نکشد این است کہ گفت"	تو کتنا ہی پست سہی ہمّت کو بلند رکھ بھائی! مردوں کی ہمّت کسی بھی چیز کے ساتھ پست نہیں ہوتی، اُن کی ہمت کے بوجھ کو آسمان زمین عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ نہیں اُٹھا سکتے

اسی واسطے کہا گیا ہے ——— مثنوی

نے در غم دوزخ و بہشت اند ⁂ ایں طائفہ را چنیں سرشتند

پنگ در حضرت خدائے زدہ ⁂ ہر چہ آں نیست کہ پُشت پائے زدہ

تا بجاروب لا نروبے راہ ⁂ نرسی در سرائے الا اللہ

---

[۱] سیرۃ الشرف ص ۱۲۵

"ہمت ایں مردان فضائے پاک وصحرائے
باوسعت بے خس وخاشاک خواہد تا دروے
پرواز کنند وہیچ فضائے پاک تراز فضائے
پاک ربوبیت نیست وہیچ صحرائے باوسعت
تراز صحرائے وحدانیت نیست ہمت ایشاں
گرد کعبہ وبیت المقدس نگردد وبا آسمان
وزمین طواف نکند، سبحان اللہ عزوجل
عجب کارے است مردے درجائے خود
نشستہ وپائے در دامن کشیدہ وسربر
زانو نہادہ وسراو از کون ومکان درگذشتہ
وزہے ہمت کہ آں راجز درآب وخاک
نیابی ازیں جا گفتہ است

ان مردان خدا کی ہمت ایسی پاک فضا اور ایسے
وسیع صحرا کی طالب ہے جس میں خس وخاشاک کا
نام ونشان نہیں تاکہ یہ لوگ اس میں پرواز
کریں اور کوئی فضا "فضائے ربوبیت"
سے زیادہ پاک اور کوئی صحرا "صحرائے
وحدانیت" سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔
مردوں کی ہمت کعبہ اور بیت المقدس کے
گرد نہیں گھومتی، اور آسمان وزمین کا طواف
نہیں کرتی، سبحان اللہ! کیا ہی عجیب
کام ہے ایک مرد اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے پاؤں کو
دامن میں سمیٹے ہوئے اور سر کو زانو پر رکھے ہوئے
درانحالیکہ اس کا "سر" (ہمت) کون ومکان
سے بھی آگے گزر گیا ہے، کیا ہی مبارک ہمت ہے کہ تو اس کو سوائے
پانی اور مٹی (بنی آدم) کے اور کہیں نہ پائے گا اسی لئے کسی نے کہا ہے۔

حقا کہ بزہ نیا وردی گرد
چرخ فلک اے پسر کمانم[1]

صاحب سیرۃ الشرف نے صحیح لکھا ہے:-

---

[1] مکتوب چہارم

"آپ کی آنکھ ہمیشہ نایافتہ پر لگی رہتی تھی، کیونکہ یافتہ آپ کو ادنیٰ شے دکھائی دیتی تھی" اور دسعت حوصلہ اور بلندیٔ ہمت کی وجہ سے ہر دم و ہر آن اعلیٰ ترین پیشِ نظر رہتا تھا:

دوسروں پر بھی اسی وسعت حوصلہ اور بلندیٔ ہمت کی فرمائش کی :۔

"فی المثل اگر ہر دو عالم را بر در تو آرند و گویند
تراست ہر تصرف کہ خواہی بکن ہوشیار باش
از آنچہ فوق الدنیا والآخرۃ ہست محجوب نگردد
قطع طریق نشود ہمہ گو کہ عارفاں گفتہ اند"

اگر بالفرض دونوں جہانوں کو تیرے دروازہ پر لے آئیں اور کہہ دیں کہ "یہ سب کچھ تیری ملکیت ہے جس طرح چاہے اس میں تصرف کر" پھر بھی ہوشیار رہ، ایسا نہ ہو کہ جو کچھ دنیا و آخرت سے مافوق ہے وہ پردہ میں ہو جائے اور اُس تک پہونچنے کا راستہ قطع ہو جائے تو بھی وہی کہہ جو عارفوں نے کہا ہے ۔ ؎

دنیاست بلاخانہ و عقبیٰ ہوس آباد
ما حاصل ایں ہر دو بیک جو نستانیم

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"ہر آئینہ چوں حوصلہ وسیع بود در ہمہ بگنجد و اگر تنگ بود نہ گنجد بروں افتد
ایں نکتہ دریں باب (برائے طلب) اصلی قویست"

تجرید و تفرید

اہل تجرید و تفرید انقطاع عن الخلق اور اُنس مع الحق کے اس مقام تک پہونچ جاتے ہیں جہاں کسی نامحرم کا پہونچنا یا اس کی بلندیوں کا ادراک کرنا عامیوں کے لئے مشکل ہے، اسلئے جب تک وہ خود ہی اپنا حال نہ بتائیں یا اُس منزل کا نشان نہ دیں اس کا سراغ لگنا مشکل ہے، پھر چونکہ ان مردانِ خدا کو خلوت در انجمن اور سفر در وطن کی دولت حاصل

ہوتی ہے اور "دست بکار و دل بیار" کی تصویر ہوتے ہیں۔ منصب ارشاد و تربیت کی ذمہ داریاں اور اتباعِ نبویؐ کی شان ان کو ہمیشہ خلائق کے درمیان رکھتی ہے اسلئے اور بھی اُن کے اصل مقام سے ناآشنائی پیدا ہوتی ہے۔ تجرید و تفرید کون سا مقام ہے اور جو لوگ اس مقام پر پہونچ جاتے ہیں اُنکی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اس کو خود اُن ہی کی زبان سے سُنیے! کس جوش و بلاغت کے ساتھ اور کس سرشاری و سرمستی کی کیفیت میں بیان کرتے ہیں: —

"تجرید از علائق و خلائق بود و تفرید از خود دردل غبارے نہ بر پشت بارے نہ باکس شمارے نہ، در سینہ بازارے نہ باہیچ مخلوق کارے نہ، ہمتش از ذروۂ عرش برگذشتہ و از کونین رمیدہ و بامراد آرمیدہ و باوجود کونین بے دوست خوشی نہ وبے وجود عالمین بادوست ناخوشی نہ عزیزے گفتہ است لا راحۃ مع اللہ ولا راحۃ مع غیر اللہ چنانکہ گفتہ اند ہر کہ از خدا و ند محجوب است در عین بلا و رنج است، اگرچہ کلید خزائن ممالک در دست دارد و ہر ژندہ پوشے و گدائے کہ او را باحضرت خداوند خود کاریست بادشاہ دو جہان است

"تجرید" تمام تعلقات اور مخلوقات سے الگ ہوتا ہے، اور "تفرید" اپنے آپ کو چھوڑنے کا نام ہو کہ نہ دل میں کوئی "غبار" ہو اور نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ ہو، نہ کسی کے ساتھ کوئی حساب وکتاب ہو، اور نہ سینہ میں (دنیاوی تفکرات) کا کوئی بازار ہو، نہ کسی مخلوق سے کسی قسم کا کوئی کام ہو، اس کی ہمت کا (شاہباز) عرش سے آگے گزر گیا ہو اور دونوں جہانوں سے گزر کر اپنے مطلوب سے ہمکنار ہو، دونوں جہانوں کے ہوتے ہوئے بغیر دوست کے کوئی "خوشی" نہ ہو، اور دونوں جہانوں کی عدم موجودگی میں دوست کیساتھ ہوتے ہوئے کوئی "ناخوشی" نہ ہو، ایک عزیز نے خوب کہا ہے: "اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے

ہر چند نان شب ندارد"[1] کوئی وحشت نہیں ہے، اور غیر اللہ کے ساتھ
ہوتے ہوئے کوئی راحت نہیں ہے"۔ چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی
خدا تعالیٰ سے محجوب (دور) ہے وہ عین مصیبت و رنج میں پڑا ہوا ہے
اگرچہ کئی ملکوں کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہو، اور ہر دلق پوش اور
گدا، کہ اُس کا خدا سے تعلق ہے وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے اگرچہ
رات کا کھانا بھی اُسے میسّر نہ ہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں: -

"دوستان بے وجود با وجود اند و بیگانگان
باوجود بے وجود اند ولیکن شرط آنست
کہ از ہمہ عالم بگریزی و در بر خود در آئی دل را
از خود برداری دوست از خود بشوئی چنانکہ
اصحاب کہف کردہ اند و از دل خود کہف
سازی و در دل بر آئی و چہار تکبیر بر خود بگوئی
و سگ نفس را از دل خود بیروں کنی تا ترا
بر خلق جلوہ کنند چنانکہ اصحاب کہف را کرد
لو اطلعت علیہم لولیت منہم فرارا
ولملئت منہم رعبا[1]

دوست بغیر وجود کے بھی موجود ہیں اور بیگانے
موجود ہوتے ہوئے بھی غیر موجود ہیں لیکن
شرط یہ ہے کہ تو تمام عالم سے بھاگے اور
اپنے آپ میں آئے دل کو اپنے سے اٹھا کر اپنے
آپ سے ہاتھ دھو ڈالے جیسا کہ اصحاب کہف
کیا ہے اپنے ہی دل کی کہف (غار) بنائے اور
اپنے ہی دل میں آکر اپنے آپ پر چار تکبیر کہہ دے
و اپنے نفس کے کتے کو اپنے دل سے باہر نکال دے
تا کہ تجھے مخلوقات پر ظاہر کریں جیسا کہ اصحاب کہف
کو ظاہر کیا گیا (قرآن شریف میں یہ آیت ہے)

[1] مکتوب شصت و دوم ۔ ۱۲

"اگر تو اُن کے حال سے مطلع ہو جائے تو تو پیچھے کو بھاگ آئے اور تیرا دل اُن کے رعب سے بھر جائے، اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھے"۔

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر

لیکن تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں، آپ کو خلق خدا کے حال پر رحمت و شفقت اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلق خاطر رہتا تھا، اور صرف اسی لئے آپ شاہانِ وقت سے کبھی کبھی خط و کتابت فرماتے، اور ان کو عدل گستری اور داد گری، مظلوموں کی حمایت و حفاظت کی طرف متوجہ کرتے، ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفرآبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتوں اور احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں تحریر فرمایا:

"بحمد اللہ کہ امروز آں ذات معظم و مکرم است کہ پناہ مظلوماں و درماندگان دست و عدل و انصاف ازاں درگاہ در عالم پدید آمدہ است بدیں سعادت رسیدہ کہ پیغمبر علیہ السلام فرمودہ است "عدل یک ساعت بہتر از شصت سال عبادت"[1]۔	اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات جو کہ مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور عدل و انصاف اسکی بارگاہ سے دنیا میں ظاہر ہو رہا ہے اس سعادت تک پہنچ گئی ہے جس کے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔

آپ نے علوم دینیہ کی تحصیل اور تعلیم کی تکمیل سنارگاؤں میں کی تھی، اسلئے قدرتاً آپ کو بنگالہ اور وہاں کے حالات

[1] سیرۃ الاشرف ص۱۴۴ (قلمی)۔

حالات سے خاص دلچسپی تھی، اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کی فکر و اہتمام رہا کرتا تھا۔ مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں جو سلطان غیاث الدین شاہ بنگالہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ شرف الحق والدین را قدس سرہ العزیز بندہ ہمہ وقت می دید کہ در باب ایں ملک عین عنایت داشت و خدائے تعالیٰ را عین عنایت برایں زمین و بریں ملک بود دہست کہ شیخ شرف الدین را کہ لشکر آلہی بود برسر ایں زمین داشت[1]"

شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز کو بندہ ہر وقت اس ملک کے بارے میں بے حد عنایت و نوازش فرماتے ہوئے دیکھتا تھا اور در اصل خداوند تعالیٰ کی اس سرزمین پر و اس ملک پر نوازش تھی کہ شیخ شرف الدینؒ کو جو کہ لشکر آلہی تھے اس زمین پر آباد رکھا۔

اتباع سنّت

اس راہ کے سالکین اپنے کرامات و مقامات میں جس قدر ترقی کرتے ہیں اُن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور آپ کے اتباع کامل کی اہمیت و ضرورت کا انکشاف اور زیادہ ہو جاتا ہے، اور اُن کے لئے یہ بات بدیہی بن جاتی ہے کہ وصول اور مقبولیت آپ کے اتباع کامل اور سنت و شریعت میں فنائیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں آپ کا جو عقیدہ اور یقین تھا اسکی توضیح کے لئے یہ مکتوب کافی ہے:

"قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ مویدِ ایں حروف است در ایں معنی عزیزے می گوید

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہہ دیجئے (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ بھی تم کو دوست رکھے گا۔ اس معنی کی تائید کر رہا ہے"

اس بارے میں ایک عزیز کہتا ہے

[1] سیرۃ الشرف ص۱۲۵

(مثنوی)

او دلیل تو بس تو راہ مجوئی :: او زبان تو بس تو یاوہ مگوئی

ہرچہ او گفت گفت مطلق دان :: ہرچہ او کرد کردۂ حق داں

خاک او باش بادشاہی کن :: آں او باش ہرچہ خواہی کن

ہر کہ چوں خاک نیست بر دراو :: گر فرشتہ است خاک بر سراو

"ازیں جا معلوم می شود کہ بعضے نا اہل و فضول بگمان فاسد ہوا و جہل خود در راہ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نمی روند لاجرم ازیں حدیث بوئے نصیب ایشاں نہ رفتن بے راہبر محال است کہ گفت راست۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بعض نا اہل اور فضول لوگ جو اپنے گمان فاسد اور جہالت و ہوس کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار نہیں کرتے اس "حدیث" کے معنی کی بو سے بے نصیب رہتے ہیں راہبر کے بغیر سیدھا راستہ چلنا محال ہے اسی لئے کہا گیا ہے

(رُباعی)

کور ہرگز کے تواند رفت راہ ست :: بے عصا کش کور را رفتن خطا ست

راہ دُور است و پر آفت اے پسر :: راہ رو را می بباید راہ بر[1]

اس اصول پر آپ کا جس شدت سے عمل اور اتباعِ سنّت کا جس قدر اہتمام تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین وفات کے دن جبکہ آپ کی عمر ایک سو اکیس[2] سال کی تھی، اور ضعف و ناطاقتی اپنی آخری حد کو پہونچ گئی تھی، آپنے جو آخری وضو کیا تو اس میں اتباعِ سنت اور عمل بالعزیمت کا پورا

---

[1] مکتوب پانزدہم

اہتمام کیا۔ شیخ زین بدر عربی "وفات نامہ" میں لکھتے ہیں :-

"پیراہن جسمِ مبارک سے اُتار کر وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین پڑھا کر مسواک مانگی، اور بسم اللہ باواز بلند پڑھ کر وضو شروع کیا، آپ ہر محل اور ہر فعل میں ادعیہ معمولی پڑھتے جاتے تھے، دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر منہ دھونا سہو ہو گیا۔ شیخ خلیل نے یاد دلایا، آپ نے از سرِ نو وضو کیا تسمیہ اور ادعیہ جس طور پر کہ آتے ہیں ہر محل میں باحتیاط تمام پڑھتے تھے اور حاضرین تعجب کرتے تھے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے۔ قاضی زاہد نے داہنا پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہی آپ نے روک کر فرمایا کہ ٹھہرو، اور اپنے سے وضو کیا، پھر کنگھی طلب کی اور ریش مبارک میں شانہ کیا، اور جانماز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی[1]"

اتباعِ سنت کے اہتمام کے ساتھ قدرتاً آپ بدعات سے مجتنب اور نفور تھے، بدعت سے احتیاط اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک موقع پر فرمایا کہ :-

"ایں دو در ہمہ جائے کہ سنّت و بدعت پیش می آید ترک سنّت اولیٰ است از اتیان بدعت، کہ بہ اتیان سنّت اتیان بدعت است[2]"	یہاں اور جہاں کہیں بھی سنت اور بدعت دونوں سامنے آجائیں تو سنت کا چھوڑ دینا اولیٰ ہے بدعت کے ارتکاب سے کہ سنت پر عمل کرنے سے بدعت کا ارتکاب ہوتا ہے

[1] وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی ۱۲۔

[2] خوانِ پُر نعمت مجلس سوم، اس باب (چہارم) کے فارسی اقتباسات کا ترجمہ محب عزیز صوفی محمد حسین صاحب ایم، اے کے قلم سے ہے، جس کے لئے مصنف ان کا ممنون ہے ۱۲۔

وفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی اور ان کے کمالات و مقامات کے متعلق جو کچھ ان کے معاصر تذکرہ نویسوں نے آنے والی نسلوں کے لئے قلمبند کیا وہ اگرچہ خود بہت ناکافی اور تشنۂ تفصیل ہے اور ان متفرق و منتشر حالات سے اُن کی عظمت کا صحیح تصور نہیں ہو سکتا لیکن یہ حالات بھی اگر خدانخواستہ مفقود ہو جاتے اور صرف ان کی وفات کا حال جو اُن کے خلیفۂ خاص اور واقعہ کے شاہد عینی شیخ زین بدر عربی نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے محفوظ رہ جاتا تو اُن کی عظمت اور مرتبت کا اندازہ کرنے کیلئے کافی تھا۔ تاریخ اسلام میں متعدد اکابر و ائمہ کی وفات کا واقعہ اور دنیا سے رخصت ہونے اور موت کے استقبال کی کیفیت کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان حضرات کی عظمت، تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کی صداقت بھی عیاں ہوتی ہے۔ کسی اُمت کے اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور اُن کے دمِ واپسیں کے حالات اس قدر مؤثر، یقین افروز، اور ولولہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گزرے جیسے مستند تاریخ نے ان اکابرِ اسلام کے محفوظ کئے ہیں۔

حضرت مخدوم منیری کی وفات کے جو حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں اُن سے اُن کی بے نظیر استقامت جذبۂ اتباعِ شریعت، اُمتِ محمدیہ کی فکر اس کے لئے دلسوزی، اہلِ اسلام سے محبت اور انکی خیر خواہی اور زندگی کی نازک ترین ساعت میں بھی اُن کا خیال اور ان کے لئے دعا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور یقین و اعتماد کے ساتھ اس کی بے نیازی اور کبریائی کا ڈر، سلامتی ایمان و حُسنِ عاقبت کی فکر اور اہتمام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ابن یمین نے جس طرح دنیا سے جانے اور جس حضوری و مشاہدہ، مسرت و تبسم کیساتھ محبوبِ حقیقی کے پیام و قاصد کا استقبال کرنے کا نقشہ کھینچا تھا وہ حضرت مخدوم کے وقتِ وفات کی سچی تصویر ہے۔ ؎

منگر کہ دل ابن یمیں پرخوں شد ٭ بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد

مصحف بکف و پا برہ و دیدہ بدوست ٭ با پیکِ اجل خندہ زناں بیروں شد

شیخ زین بدر عربی فرماتے ہیں:۔

"چہار شنبہ کا دن تھا اور ۶ شوال ۷۸۲ھ کی تاریخ میں حاضرِ خدمت ہوا، نمازِ فجر کے بعد اس نئے حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک نے تعمیر کیا تھا سجادہ پر تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو متواتر کئی راتوں سے آپ کی خدمت کے لئے جاگتے رہے تھے جن میں سے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا ابراہیم، مولانا آموں قاضی میاں، ہلال و عقیق اور دوسرے عزیز حاضر تھے۔ آپ نے زبانِ مبارک سے فرمایا لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم۔ پھر حاضرین کی طرف رُخ کرکے فرمایا۔ تم بھی کہو۔ لوگوں نے تعمیل ارشاد کی اور سب نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم

پڑھا۔ اور پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا:۔ سُبحان اللہ! وہ ملعون اس وقت بھی مسئلہ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ ہوسکتی ہے؟۔ پھر آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھنا شروع کیا، اور حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے ادعیہ و وظائف میں مشغول ہوگئے۔ چاشت کے وقت ان سے فارغ ہوئے، کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں مشغول ہوئے باآواز بلند الحمد للہ الحمد للہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا المنّۃ للہ المنّۃ للہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار دہراتے رہے۔ فرماتے جاتے تھے:۔ الحمد للہ الحمد للہ۔ المنّۃ للہ المنّۃ للہ۔

بعد ازاں مخدومؒ حجرہ سے صحنِ حجرہ میں تشریف لائے، اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی دیر کے بعد دست مبارک پھیلائے، جیسے مصافحہ فرمانا چاہتے ہوں، آپنے قاضی شمس الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لئے رہے، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، خدام کو رخصت کرنے کا آغاز انھیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینۂ مبارک پر رکھا اور فرمایا ہم وہی ہیں، ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا:۔ ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں۔ پھر تواضع اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی، اور فرمایا:۔ نہیں! بلکہ ہم اُن دیوانوں کی جوتیوں کی خاک ہیں۔ پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے اُمیدوار رہنے کی تاکید فرمائی اور بلند آواز سے پڑھا:۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔ پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

خدایا رحمت دریائے عام است

ازانجا قطرۂ برما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رُخ کرکے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، اس کے بعد کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا:۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ۔ یہ الفاظ بھی ادا کئے:۔ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا وبالقرآن اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمومنین اخوانا وبالجنۃ ثوابا وبالنار عذابا (میں اللہ کو رب مانتا ہوں اسلام کو دین، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو اپنا پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہل ایمان کو اپنا بھائی، جنت کو اللہ کا انعام، اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں، اور اس عقیدہ پر مطمئن ہوں)۔

اس کے بعد آپ نے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔ پھر زبانِ مبارک سے فرمایا:۔ آموں! مولانا آموں حجرہ کے اندر تھے، وہ سُن کر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا، اور چہرۂ مبارک پر ملنے لگے۔ فرمایا:۔ تم نے بڑی خدمت کی، تمہیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہیں گے، اگر قیامت کے دن پوچھیں گے کیا لائے؟ تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا، اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، دوستوں سے کہو خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرو رہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ہلال اور عقیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا

تم نے ہم کو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش ہوگے اور ہمیشہ خوش رہوگے، تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا بامُراد رہوگے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے، اور اُن کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اِس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، آپ نے کئی بار اُن کے سر، چہرہ، داڑھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے، اور الحمد للہ الحمد للہ کہتے جاتے تھے، آپ نے ہاتھ نیچے کرلیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپ کے چہرۂ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین خواہرزادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو۔ اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جونپوری کا نام لیا، اور فرمایا کہ:۔ ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟۔ آپ نے بہت خوش ہو کر مسکراتے ہوئے اور اپنی تمام انگلیوں سے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: مظفر میری جان ہے، میرا محبوب ہے مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں، خلافت اور مقتدائی کے لئے جو شرائط و اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں، میں نے جو کچھ کہا اس سے ان غریبوں کو فتنۂ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا[1]۔ اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے۔ ۔ ۔ پیش کیا[2]،

---

[1] یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲

[2] یہاں پر جو عبارت ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ۱۲

اور عرض کیا:۔ مخدوم اسے قبول فرمائیں؟۔ فرمایا:۔ میں نے قبول کیا، یہ کیا ہے میں نے تو تمہارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی، انھوں نے تجدید بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اس دوران میں قاضی مینا حاضر خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کرایا اور عرض کیا:۔ یہ قاضی مینا ہیں؟۔ فرمایا:۔ قاضی مینا، قاضی مینا!۔ قاضی مینا نے کہا:۔ حضرت حاضر ہوں! اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے اُن کا ہاتھ اپنے چہرہ و ریش مبارک اور رخسار پر پھیرا، اور فرمایا:۔ خدا کی تم پر رحمت ہو، با ایمان رہو اور با ایمان دنیا سے جاؤ، از راہِ شفقت یہ بھی فرمایا کہ:۔ مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں مولانا ابراہیم آئے، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، با آبرو رہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا:۔ مخدومؒ[1] ... ... مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا:۔ ہم سب سے راضی ہیں، تمھیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہئے، جو کچھ ہے میری طرف سے ہے۔ اس کے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نورالدین حاضر ہوئے، آپ نے قاضی نورالدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بڑی شفقت کے ساتھ ان کی داڑھی، چہرہ و رخسار اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ:۔ تم ہماری صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی جگہ رہیں گے، اس کے بعد مولانا نظام الدین کوہی حاضر ہوئے۔ فرمایا:۔ غریب اپنا وطن چھوڑ کر ہمارے جوار میں آ گیا تھا، یہ کہہ کر کلاہِ مبارک اپنے سر سے اتار کر اُن کو عطا فرمائی،

---

[1] یہاں پر مطبوعہ اور قلمی نسخہ میں صبح البیاض کا لفظ ہے، شاید اسکے معنی یہ ہوں کہ آج صبح کے وقت۔ ۱۲

اور حسنِ عاقبت کی دعا فرمائی، اور فرمایا حق تعالیٰ تمھیں مقصود تک پہونچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:- دوستو! جاؤ اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو!۔

اس کے بعد کاتب سطور زین بدر عربی نے دستِ مبارک کو بوسہ دیا، اپنی آنکھ، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا:- کون ہے؟۔ میں نے عرض کیا:- گدائے آستانہ توجہ کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مجھے از سر نو غلامی میں قبول فرمایا جائے؟۔ فرمایا:- جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمھارے گھر اور تمام اہلِ خاندان کو قبول کیا، خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرو رہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا:- مخدوم تو مخدوم ہیں، مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا:- اُمیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدومؒ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ مولانا شہاب الدین ہلال وغیرہ نے عرض کیا کہ:- مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟۔ فرمایا:- قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے، کئی جگہیں اس کو فرزند لکھ چکا ہوں، خطاب میں نے اس کو برادرم بھی لکھا ہے، ان کو علم درویشی کے اظہار کی اجازت ہو چکی، انھیں کے خاطر اتنے کینے اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟۔

اس کے بعد برادر و خادم خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے اُن کی طرف رُخ کیا اور فرمایا:- خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علم اور درویش چھوڑیں گے نہیں۔ ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا اُس کو میرا سلام و دُعا پہونچانا، میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں، اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا ——— فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت مخدوم نے جب ان کی دل شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا:۔ خاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو۔ اس کے بعد فرمایا:۔ کون ہے؟۔ ہلال نے عرض کیا کہ:۔ مولانا محمود صوفی ہیں۔ آپ نے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ:۔ بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہے، بیچارے کا کوئی نہیں، اس کے بعد ان کے لئے حُسنِ عاقبت کی دُعا فرمائی۔ اس کے بعد قاضی خاں خلیل حاضرِ خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ بیچارہ قاضی ہمارا پُرانا دوست ہے، ہماری صحبت میں بہت رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو جزا دے اور عاقبت بخیر کرے، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں، سب کی عاقبت بخیر ہو، اور حق تعالیٰ دوزخ سے رہائی دے۔

اس کے بعد خواجہ معز الدین مشرف بہ خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدمبوسی کی۔ فرمایا:۔ بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے۔ فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا۔ فرمایا:۔ بیچارہ فتوحا جیسا کچھ تھا میرا ہی تھا، اس کے حق میں بھی دُعائے عاقبت فرمائی۔ اس کے بعد مولانا شہاب الدین نے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا، ہلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔ فرمایا:۔ انجام بخیر ہو، ایمان کا غم کھاؤ، اور رحمت حق کے اُمیدوار ہو کر پڑھو لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔

کچھ دیر کے بعد نمازِ ظہر کے قریب سیّد ظہیر الدین اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، آپ نے سیّد ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا، اور بڑے لُطف و شفقت کے ساتھ فرمایا:۔ میں جو عاقبت عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے، اسکے بعد تین مرتبہ اُن کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی:۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا،

اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خداوندی کا اُمیدوار بنایا، اس کے بعد وہاں سے اُٹھے اور حجرہ میں تشریف لے گئے، اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ دیر باتیں فرمائیں، اس کے بعد سلطان شاہ پرگنہ دار راجگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا، اور ایک روغن کا سر پیاج پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت اور پان دے کر معذرت کی۔ اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں؟ فرمایا:۔ آؤ! اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے مشرف فرمایا، پھر قینچی طلب کی قینچی سے بال تراشے اور کلاہ پہنائی، اور فرمایا:۔ جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی، اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثنا میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی جو مریدانِ خاص میں سے ہیں آئے، اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی، آپ نے فرمایا:۔ پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا ابھی چھوٹا ہے، سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا، میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے، انھوں نے اس لڑکے کو بلایا، اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی، سید ظہیر الدین نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورۂ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدوم جو تکیے کے سہارے سے آرام فرما رہے تھے اُٹھ بیٹھے، اور معمول قدیم کے مطابق باادب دوزانو بیٹھ گئے، اور

بڑی توجہ سے قرآن مجید سُننے لگے، لڑکا جب لیغیظ بھم الکفار پر پہونچا تو مرعوب ہوگیا اور اس سے پڑھا نہ جا سکا، آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین فرمائی، جب لڑکے نے قرات ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ :۔ اچھا پڑھتا ہے، اور خوب ادا کرتا ہے لیکن مرعوب ہو جاتا ہے، اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا ذکر کیا کہ کبھی اُس کی طبیعت حاضر ہوتی تھی، اور قرآن مجید سُننے کا ذوق ہوتا تھا، اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید سُننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پان دینے کو ارشاد ہوا، اور معذرت فرمائی۔ آپ نے پیراہن جسم سے اُتارنا چاہا اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی، مسواک طلب فرمائی، آواز سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں، کہنیوں تک دونوں ہاتھ دھوئے، مُنھ دھونا بھول گئے۔ شیخ فریدالدینؒ نے یاد دلایا کہ مُنھ دھونا رہ گیا، آپ نے از سرِ نو وضو کرنا شروع کیا، اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جس طرح سے آئی ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیر الدینؒ اور حاضرین مجلس دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط؟ قاضی زاہد نے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدومؒ نے اُن کو روک دیا، اور فرمایا :۔ کھڑے رہو! اس کے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور داڑھی میں کنگھی کی، اس کے بعد مصلّےٰ طلب فرمایا، نماز شروع کی، اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکان ہو جانے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا۔ شیخ جلیل الدین نے عرض کیا کہ :۔ حضرت سلامت حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہو گیا ہے؟۔ آپ کھڑے ہوئے، جوتیاں پہنیں، اور حجرہ کی طرف چلے، آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر تھا دوسرا مولانا شہاب الدین کے کاندھوں پر، حجرہ میں

آپ ایک شیر کی کھال پر لیٹ گئے۔ میاں مُنوّر نے بیعت توبہ کی درخواست کی، آپ نے انکی طرف ہاتھ بڑھادیا اور اُن کو توبہ و بیعت سے مشرف کیا، اور اُن کے سر کے بال دونوں جانب سے تھوڑے تھوڑے تراشے، اُن کو کُلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دوگانہ ادا کرو، یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپ نے کرائی، اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ حاضر ہوئی، اور شرفِ قدمبوسی حاصل کیا۔ نمازِ عصر کے بعد مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے عرض کیا کہ:۔

حضرت چارپائی پر آرام فرمائیں؟ آپ چارپائی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔

نمازِ مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی نورالدین ہلال اور عقیق اور دوسرے احباب و خدام جو خدمت میں مصروف تھے چارپائی کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت مخدومؒ نے کچھ دیر کے بعد باآوازِ بلند بسم اللہ کہنی شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین اسکے بعد بار بار بلند آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا، پھر کلمۂ شہادت اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریك لہ واشھد ان محمدًا عبدہٗ ورسولہ اس کے بعد فرمایا:۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر کچھ دیر تک کلمۂ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا:۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسکے بعد بڑے اہتمام سے اور دل کی بڑی قوت اور بڑے ذوق و شوق سے محمدؐ محمدؐ محمدؐ اللّٰھم صلِ علیٰ محمد وعلیٰ آلِ محمد الخ پھر یہ آیت پڑھی:۔

ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء تا آخر، رضیت باللہ ربا و

بالاسلام دینا و بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیا" اسکے بعد تین مرتبہ کلمۂ طیبہ کا ورد فرمایا، پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ جیسے کوئی دعا اور مناجات کرتا ہے، فرمایا:۔ اللّٰھم اصلح امۃ محمد اللّٰھم ارحم امۃ محمد اللّٰھم اغفر لامۃ محمد اللّٰھم تجاوز عن امۃ محمد اللّٰھم اغث امۃ محمد اللّٰھم انصر من نصر دین محمد اللّٰھم فرج عن امۃ محمد فرجا عاجلا اللّٰھم اخذل من خذل دین محمد برحمتک یا ارحم الراحمین' ان الفاظ پر آواز بند ہوگئی، اس وقت زبانِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:۔ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون' لا الٰہ الا اللہ' اسکے بعد ایک بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہا، اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۶ شوال ۷۸۲ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن نمازِ چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔[۱]

نمازِ جنازہ وتدفین

نمازِ جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے پڑھائی جو انتقال کے بعد پہونچے تھے۔ "لطائف اشرفی"[۲] میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے خود

---

[۱] از رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربیؒ۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

[۲] لطائف اشرفی حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنی کی مرتب کی ہوئی ہے، جو حضرت اشرف جہانگیرؒ کے مرید تھے، اور آپ کی صحبت میں تیس سال رہے تھے، یہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سوانح حیات بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کا مجموعہ بھی۔ ۱۲

وصیت اور پیشگوئی فرمانے اور حضرت شیخ اشرف جہانگیرؒ کے وہاں پہونچنے اور حسب وصیت نماز پڑھانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحبؒ کی وصیت و اطلاع کے مطابق جنازہ تیار کرکے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور ان کا انتظار تھا۔ شیخ اشرف جہانگیرؒ دہلی سے بنگالہ سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق لاہوری پنڈویؒ کی خدمت میں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں بہار شریف عین اس وقت پہونچے جب حضرت مخدومؒ کا جنازہ تیار کرکے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور امام کا انتظار تھا، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اُتارا۔[1]

قبر کچّی ہے اور اُس پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ سوریوں کے عہد سلطنت میں اُسکے گرد و پیش مکانات، مسجد اور حوض و فوارہ بنا، لیکن بخیال اتباعِ شریعت جس کا حضرت مخدومؒ کو بڑا اہتمام تھا، قبر اپنی حالتِ اصلی پر چھوڑ دی گئی۔[2]

اولاد و اعقاب صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں: —

"مخدومؒ کی صلبی اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپ کے صاحبزادہ شاہ ذکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی بارکہ نام چھوڑ کر قضا کی۔ اس لڑکی کا بیاہ سید وحید الدین رضوی خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی سے ہوا، اس کدخدائی سے ایک لڑکی طہرا نام پیدا ہوئی، جو شہاب الدین علوی طوسی سے بیاہی گئی، ان کے دو بیٹے شیخ علیم الدین و شیخ امام الدین ہوئے، ایک زمانہ کے بعد جب فرزندانِ حسین بلخیؒ نوشۂ توحید نے

---

[1] لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۵ھ ص ۹۳ ۔

[2] سیرت الشرف

خلع خلافت کیا تو سجادہ دارانِ درگاہ حضرت بارکہ کی اولاد کو لاکر سجادۂ خلافت خانقاہ پر متمکن کیا،
ان میں سے پہلے بزرگ جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ بیکہ تھے[1]

مخدوم صاحبؒ کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا، اور ان کی اولاد اب بھی منیر اور صوبۂ بہار میں موجود ہے۔

ممتاز مریدین و خلفاء

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں: ۔ مخدومؒ کے مریدوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ نوشہ توحید ان کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ بتاتے ہیں' یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی، بایں ہمہ اتنا ضرور کہا جائے گا کہ کثیر تھی، اور اس میں مسترشدین و تلامذہ بھی شریک ہیں۔ مخدومؒ کے ممیز مستفیدوں میں یہ تھے: ۔

"مولانا مظفر بلخی، ملک زادہ فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا نظام الدین دروحصاری، شیخ عمر، قطب الدین، فخر الدین، شیخ سلیمان، خواجگی، خواجہ احمد، امام تاج الدین، حسین معز بلخی الملقب بہ نوشۂ توحید، مولانا قمر الدین، مولانا ابوالقاسم، مولانا ابوالحسن، قاضی شرف الدین، قاضی منہاج الدین دروحصاری، مولانا تقی الدین اودھی، مولانا شہاب الدین ناگوری، شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، زین بدر عربی، قاضی صدر الدین، شمس الدین[2] خوارزمی، شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین، خواجہ حافظ جلال الدین، خواجہ

[1] سیرۃ الشرف قلمی ۱۵۸ ۔ [2] صاحب سیرۃ الشرف کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں شمس الملک کے خطاب سے ملقب ہو کر منصب صدارت پر مامور ہوئے تھے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کہ شمس الملک مستوفی الممالک مولانا شمس الدین خوارزمی جو عہد بلبنی میں منصب صدارت پر فائز تھے آٹھویں صدی ہجری شروع ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ انہیں کے شاگرد تھے۔ یا تو صاحب سیرۃ الشرف کو نام میں مغالطہ ہوا ہے، یا حضرت مخدومؒ سے جن کو شرف استفادہ حاصل تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی تھے۔"

حمیدالدین سوداگر، شیخ مبارک، زکریا غریب، قاضی خاں، نجم الدین شاعر، قاضی بدرالدین ظفرآبادی

مولانا لطف الدین، احمد سفید باف، شیخ ذکی الدین، مولانا نظام الدین خالہ زادہ مخدومؒ،

مولانا احمد آمون، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین، عماد حالقی، حاجی رکن الدین

مولانا وحیدالدین خواہرزادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، سید جلال الدین خواہرزادہ شیخ نجیب الدین

فردوسی، شیخ رستم و شیخ وجہ الدین و شیخ وحیدالدین (ہر سہ یاران شیخ نظام الدین اولیاؒ) مولانا

حسام الدین امام ہیبت خانی وغیرہمؒ"[1]

تصنیفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہے، لیکن آپ کی بہت سی تصنیفات اور رسائل امتدادِ زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہو گئے اور ان میں بہت سی کتابوں کے نام بھی سیر و سوانح میں محفوظ نہیں ہے، جو کتابیں ملتی ہیں یا تصنیفات میں ان کے نام نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

"راحت القلوب، اجوبہ، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالۂ مکیہ، معدن المعانی، لطائف المعانی، اشارات مخ المعانی، خوانِ پُر نعمت، تحفۂ غیبی، رسالہ در طلب طالبان، ملفوظات، زاد سفر، عقائد شرفی، فوائد مریدین، بحر المعانی، سفر المظفر، کنز المعانی، گنج لایفنیٰ، مونس المریدین، شرح آداب المریدینؒ"[2]

لیکن آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوم تبت اور مقام تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا مظہر آپ کے "مکتوبات" ہیں، اور "مکتوبات صدی" وغیرہ کے نام سے ملتے ہیں۔

---

[1] سیرۃ الشرف ص۱۱۵ و ص۱۱۶ ، [2] سیرۃ الشرف و نزہۃ الخواطر وغیرہ۔ ۱۲

مکتوبات اور اُن کا علمی و ادبی پایہ

حضرت مخدومؒ کی زندہ یادگار اور اُن کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے، جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی نُدرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواقِ صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سُنّت کے صحیح و عمیق فہم، مقامِ نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدومؒ کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانیؒ کی نظیر نظر نہیں آتی۔ ان مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے، اور انھوں نے معرفتِ الٰہی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس، رُوح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی باریکیوں، اور نفسِ انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات حاصل کیں، اور اُن کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائرِ بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا،

اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورِ قلم، قوت بیانی اور حسنِ انشا کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں، اور اُنکے بہت سے ٹکڑے اِس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل، اور "ادب عالی" میں شمار کئے جائیں۔ دُنیا کی اکثر زبانوں اور علم و ادب کے بارہ میں یہ زیادتی کی گئی ہے کہ صرف اُن شخصیتوں کو ادیب، صاحب اسلوب اور انشا پرداز تسلیم کیا گیا ہے، اور اُنھیں کی تحریر اور نتائج فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جنھوں نے ادب و انشا کو ایک پیشہ یا ذریعہ اظہارِ کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں سرکار دربار سے متعلق تھے، اور کوئی تحریری خدمت اُن کے سپرد تھی، یا جنھوں نے انشا میں صناعی اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشا پرداز، صاحب اسلوب کی حیثیت سے ہمیشہ عبدالحمید الکاتب، ابواسحٰق الصابی، ابن العمید، صاحب ابن عباد، ابوبکر خوارزمی، ابوالقاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ انکی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی، زندگی اور رُوح سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن شداد، شیخ محی الدین بن عربی، ابوحیان توحیدی، ابن قیم، ابن خلدون کہیں بڑھ کر انشا پرداز کہلانے کے مستحق ہیں، اور ان کی تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشا، خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور دل آویز نمونے ہیں لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ادب و انشا کو اپنا مستقل پیشہ یا اظہارِ کمال کا ذریعہ نہیں بنایا، اور اُن کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

دلچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تو سراسر تکلف اور تصنع سے بھری ہوئی ہوتی ہے، اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اسکے زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد و تحسین کی صداؤں سے گونج جاتے ہیں، اور شاید وہ مصنف خود بھی اسی کتاب کو حاصلِ زندگی اور سرمایۂ نازش و افتخار سمجھتا ہے، لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلاب روزگار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پُرتکلف تصنیف کتب خانوں کی زینت ہو کر رہ جاتی ہے، اور وہ دوسری کتاب کو بقائے دوام کا

خلعت عطا ہوتا ہے، اور وہ گلشنِ بے خزاں کی طرح سدا بہار بن جاتی ہے۔ ابن جوزی کی مایۂ ناز تصنیف جس کا انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ "المدہش" (حیرت میں ڈال دینے والی کتاب) نام رکھا تھا پردۂ خفا میں ہے لیکن اُن کی بے تکلف کتاب "صید الخاطر" جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقہ پر اپنی زندگی کے تجربات اور روزمرہ کے تاثرات قلمبند کئے تھے، اور جس کو شاید وہ خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں، آج مقبولِ عام اور ادب کے طالب علموں کا مرکزِ توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشا پر ظہوری، ابوالفضل اور نعمت خان عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ اگر انشا کے لئے جذبات و حقائق کے موثر اظہار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصّہ جن میں لفظی صنائع و بدائع اور لفظی رعایتوں کا زور ہے، اپنی قیمت کھو دیتا ہے اور بہت تھوڑا حصّہ ادب و انشا کے فطری معیار پر پورا اُترتا ہے، ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائقِ اعتنا ٹھہرتی ہیں جن کو عام طور پر مورخین ادب اور خوگرِ تقلید ناقدین نے ہمیشہ نظر انداز کیا حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ مُنیریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقیؒ کے "مکتوبات" کا بڑا حصّہ، عالمگیرؒ کے "رقعات"۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی "ازالۃ الخفا"، اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی "تحفۂ اثنا عشریہ" کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب و انشا کا کامیاب نمونہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زبان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رو نے کھینچ دیا اسکے حدودِ اربعہ سے باہر نکلنے، دوسرے علوم و فنون کے ذخیرے کو کھنگالنے اور نئے ادبی شاہکاروں کو دریافت کرنے کی دردسری عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اس طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشا کے سلسلہ میں عام مورخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تحریر کی قوت کلام کی تاثیر اور قبولِ عام و بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ کسی حقیقت کے اظہار کے لئے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے۔

ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لئے مضطرب و بیقرار ہو جب قدرت کی طرف سے ذوقِ سلیم بھی عطا ہو، الفاظ واسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم وادب، عقل واستدلال اور حُسن بیان کے ساتھ سوزِ دروں اور خونِ جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سیکڑوں برس گذر جانے کے بعد بھی اس کی تازگی وزندگی اور اس کی تاثیر وقوتِ تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر وتقریر کو بہتر وکامیاب بنانے کے لئے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدین ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا مؤثر اور ناقابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحبِ کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب وانشاء کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقت ور عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں، اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی، بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہلِ حکومت اور اہلِ ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحبِ ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو۔ ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔ پہلا ادب "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی اور اخلاقی ہے، تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے، ہزاروں آدمیوں کے

دل میں اسکے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد وتحسین اور عارضی سُرور وخوش وقتی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود ومختصر ہوتی ہے، پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں صنعت اور اہتمام۔ ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو، تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک تمثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: "ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے، اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا اسلئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے، اور میں اپنے آقا کے لئے"۔

ناقدین ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب وشاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار و معاون عنصر تسلیم کیا ہے، اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لب جو، کنار دریا، گوشۂ چمن، فصل بہار، نسیم سحر، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور اُن کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے، اور ان میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ روح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہلِ دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت وسرستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، اُن کی خوشی وسرستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ اُن کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ نے جو خود صاحب دل اور صاحب درد تھے، اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔ ؎

جایئے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین ومشاہدہ، دعوت کے غلبہ اہلِ عصر واہلِ تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزلِ مقصود پر پہونچانے کے جذبہ، اخلاص ودردمندی، رُوح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اس سب کا نتیجہ تھا

ذوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدینؒ کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے، اور انھوں نے اپنے خیالات وجذبات کے اظہار کیلئے ایک مستقل اسلوب پیدا کرلیا ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں، اور معارف وحقائق، دعوت واصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت وتاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہ مکتوبات کا سب سے مشہور اور متداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ[۱] کے نام کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، اس مجموعے میں سو مکاتیب ہیں، کہیں "مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ مُنیری قدس سرہٗ" کے نام سے چھپا ہے، اور کہیں "سہ صدی مکتوبات" کے نام سے، اور کہیں "مکتوبات صدی" کے نام سے۔ اس کے مرتب حضرت مخدومؒ کے معتمد خاص شیخ زین بدر عربی ہیں، وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"بندۂ ضعیف زین بدر عربی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ نے جو حضرتؒ کے ایک مریدہیں، بار بار اس مضمون کے عریضے ارسالِ خدمت کئے کہ یہ غریب مواقع کی بناء پر حضرت مخدومؒ کی مجلس میں حاضری اور شرفِ صحبت سے (جو علوم ومعارف کے حصول کا ذریعہ ہے) محروم ہے، اور حضرت مخدومؒ سے دُور ایک دوسرے مقام پر پڑا ہے، اس کی درخواست ہے کہ علمِ سلوک کے ہر باب میں بندہ کے فہم واستعداد کے مطابق کچھ جز تحریر میں لے آیا جائے تاکہ یہ دُور افتادہ اس سے

---

[۱] چوسہ حضرت مخدوم صاحبؒ کے عہد میں ایک مرکزی اور معروف مقام تھا، اس زمانہ میں ضلع شاہ آباد کمشنری پٹنہ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے۔ ۱۲

استفادہ کر سکے۔ یہ درخواست جو بڑے اخلاص و الحاح سے کی گئی تھی منظور ہوئی، اور حضرت مخدوم ؒ نے مراتب و مقاماتِ سالکین اور احوال و معاملاتِ مریدین کے سلسلہ میں بقدرِ ضرورت کچھ قلمبند فرما دیا، اور اس طرح توبہ و ارادت، توحید و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کشش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، سلامتی و ملامتی، پیری و مریدی کے بہت سے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا۔ یہ خطوط ۷۴۷ھ کے مختلف مہینوں میں بہار سے قصبۂ چوسہ بھیجے جاتے رہے۔ خدام و حاضرینِ خانقاہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی، اور ان کو مرتب کر لیا تاکہ اصحابِ توفیق، طالبینِ صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں ؎

قاضی سر نشانہ شد و خود جہانیاں ✤ سرمایہ بار ندہمہ زین نقود غیب
یارب ازیں نقود سرہ دانقی بہ بخش ✤ مارا کہ قلب و ناسرہ ہستیم پر زعیب

ایک دوسرا مختصر مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے علاحدہ بھی شائع ہوا ہے، اور "سہ صدی مکتوبات" (شائع کردہ کتب خانہ اسلامی پنجاب، لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ اُن مکتوبات کا باقی ماندہ حصہ ہے جو شیخ مظفر کے نام ان کے عرائض کے جواب میں لکھے گئے، اور ان میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے، اور ان سے شیخ مظفر کے علوِ استعداد اور انعاماتِ الٰہیہ کا اندازہ ہوتا تھا۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکاتیب انھیں کے ساتھ دفن کر دیئے جائیں، اتفاقاً کچھ مکاتیب پر بعض خدام کی نظر پڑ گئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ یہ مجموعہ "مکتوبات جوابی" کے نام سے موسوم ہے، اس مجموعہ میں اٹھائیس مکاتیب ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ایک سو ترپن ۱۵۳ مکتوبات ہیں، اور مختلف اشخاص کے نام ہیں، یہ مکتوبات جمادی الاولی ۷۶۹ھ اور رمضان المبارک ۷۶۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ خاص خاص مکتوب الیہم

نام یہ ہیں :-

"شیخ عمر ساکن قصبہ انگلی، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین بنتوسی، مولانا صدرالدین۔ مولانا ضیاء الدین، مولانا محمود سنگانی۔ شیخ محمد ظفر آبادی المعروف بدیوانہ، ملک الامام الملک مفرح، مولانا نظام الدین۔ داور ملک داماد سلطان محمد۔ مولانا نصیرالدین امین خاں۔ ملک خضر۔ شیخ قطب الدین۔ شیخ سلیمان۔ سلطان الشرق فیروز شاہ۔

مضامین کا ماخذ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے کی صرف ذہانت، وفورِ علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے ذوق و یقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی داوری و کبریائی، جلال و جمال، مومن کے خوف و رجا، عارفین و واصلین بارگاہ کے ناز و گداز، سرور و اندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ و انابت الی اللہ کی ضرورت پر جو لکھا گیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرمِ راز و آشنائے حقیقت لکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرتبۂ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلبِ انسان کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت انسان کی بلند پروازی، دُور رسی، مشکل پسندی اور عنقا طلبی، علوِ ہمت اور قوتِ طلب کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاقِ رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور عملی واقفیت پر مبنی ہے۔

اہلِ طریقت کی جن غلطیوں پر تنبیہ کیا گیا ہے، اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح، اور مقام نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت

اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں ۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کریں گے ، جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں ۔

بے نیازی سلطانِ عالم

ایک مکتوب میں شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی کو بیان کرتے ہیں کہ کسی کو اس سے چون وچرا کی گنجائش اور یارائے سوال نہیں لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ وہ جس کو چاہے دولتِ ایمان اور خلعتِ قبول سے نوازے، اور جس کو چاہے راندۂ درگاہ اور مطرودِ بارگاہ بنادے، جس کو چاہے خاک سے افلاک پر پہونچادے، اور جس کو چاہے افلاک سے خاک پر گرادے۔

"اگر گوئی چرا چنین است"۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے اسے نوازے) اگر تم کہو کہ ایسا کیوں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

"کسے باخداوند تو امر کہ گوید چرا بکے را	کس کی مجال ہے کہ خدا سے یہ کہہ سکے کہ
این دولت دادی وکے راندادی چنانکہ	کیوں فلاں کو یہ دولت دی فلاں کو نہیں
بادشاہے را شاید کہ کسے را منصبِ وزارت دہد	دی جیسا کہ ایک بادشاہ (اس نظم شعر میں)

ودیگرے را دربانی دستور بانی ہمچنیں اگر
دولتے در دین بکسے دہد خواہد از خراباتش
بیروں آرد و خواہد از میان جولاہگان دکناسان
و ترہ فروشان و ظالمان و حرامخوران کرا
زہرہ آں کہ گوید اھولاء منّ اللہ
علیھم من بیننا۔ فضیل عیاض را
اگرچہ راہ زن است بیاید کہ خواندہ
ماست بلعم باعور را کہ چہار صد سال بر سر
سجادہ بود از درگاہ ما براندید کہ راندہ ماست،
ما عمر را کہ بت پرستی دارد می خواہیم عزازیل را
کہ ہفصد ہزار سال عبادت دارد نمی خواہیم
کہ گوید چرا لا یسئل عما یفعل۔

ایک کو منصب وزارت سے سرفراز کرتا ہے
دوسرے کو دربانی دکناسی پر مقرر کرتا ہے،
اسی طرح جب وہ کسی کو دین کی دولت عطا
فرماتا ہے تو کبھی اس کو خرابات سے اٹھا لاتا ہے
کبھی بے حیثیت لوگوں، خاکروبوں، کنجڑوں،
ظالموں اور حرامخوروں کے گروہ سے
نکال لاتا ہے، کس کا جگر ہے کہ کہے:-
اھولاء من اللہ علیھم من بیننا
(کیا اللہ کو ہمارے درمیان انھیں پر احسان
کرنا تھا) حکم ہوتا ہے کہ فضیل بن عیاض کو
اگرچہ وہ راہ زن ہے لاؤ وہ ہمیں مطلوب ہے
بلعم باعور کو جو سات لاکھ برس تک مصلے
سے نہیں ہٹا ہماری درگاہ سے باہر لے جاؤ کہ وہ ہمارے یہاں کا
نکالا ہوا ہے، ہم عمر کو جو بت پرستی میں مشغول ہے چاہتے ہیں عزازیل کو
جو سات ہزار سال سے عبادت میں مشغول ہے نہیں چاہتے ہیں کس کی
مجال ہے کہ کہے کیوں ______ (بیت) سعؔ

گرگ از رمہ برد آنچہ مراد دل او بود
گو بادیہ پیمائی ہمی مرد شبانرا

"اگر نظر لطف افگند ہمہ عیب ما ہنر است
اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو ہمارے سب عیب ہنر ہیں

درہمہ نقصان ما کمال و درہمہ زشتی ما جمال،
اے برادر مشتے خاک بود در عین مذلت
در راہے افتادہ و پاکوب اقدام شدہ
نظر لطف درآمد گفت :- اِنِّی جَاعِلٌ
فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً [1]"

ہمارے تمام نقص کمال اور ہماری تمام بدنمی
حسن وجمال ۔ اے برادر! ایک مٹھی بھر خاک
تھی، جو ذلت وخواری کی حالت میں راستہ میں
پڑی، اور پاؤں کے نیچے آرہی تھی، الطاف نوازش
کی ایک نظر پڑی اور صدا آئی :- اِنِّی

جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً

ایک دوسرے مکتوب میں اس شانِ بے نیازی کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں :-

"چشم بکشائے، و حسرت آدم بیں، و فریاد
نوح بشنو، و بے کامی خلیل بیں، و حدیث
مصیبت یعقوب بشنو، چاہ زندان یوسف
ماہ رو بیں، و آرہ بر فرق زکریا نگر، و تیغ
بر گردنِ یحییٰ بیں، جگر سوختہ و دل کباب گشتہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم
وعلیہم اجمعین بہ بیں، و برخوان کُلُّ شَیْءٍ
ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ [2]"

چشم عبرت کھولو، آدمؑ کی حسرت، نوحؑ کی
فریاد سنو، ابراہیم خلیل اللہؑ کی ناکامی اور
یعقوب پیغمبر کی مصیبت کی داستان پر کان دھرو،
کوئیں میں یوسفؑ ماہ رو کو دیکھو، حضرت زکریا
کے سر پر آرہ اور حضرت یحییٰؑ کی گردن پر تلوار
ملاحظہ کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی سوزش جگر و بیتابی دل پر غور کرو، اور
پڑھو، کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ ۔

ایک جگہ بارگاہِ الٰہی کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"اے برادر بحقیقت بداں کہ بایں بضاعت

میرے بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ان کھوٹے سکوں

[1] مکتوب سی ام۔ [2] مکتوب سی و ہشتم۔

نا سرہ مراد ترا دریں حضرت راہ نیست، القدر کہ حوصلہ باز را آفریدہ اند در حوصلۂ کنجشک کجا گنجد قبائے کہ بربالائے صاحب دولتاں دوختہ اند برقد ما بے دولتاں راست کجا آید[1]

کے ساتھ تمھاری اس دربار عالی میں رسائی نہیں، جو لقمہ باز و شاہین کے معدہ کیلئے پیدا کیا گیا ہو وہ کنجشک اور چھوٹی چڑیوں کے معدہ میں کہاں سما سکتا ہے؟ وہ قبا جو صاحب اقبال و دولت کے جسم کے اندازہ سے سی گئی ہو، ہم بے دولتوں کے حقیر قد و قامت پر کہاں راست آسکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطف الٰہی کا کوئی جھونکا چلتا ہے اور ارادۂ الٰہی کا کوئی اشارہ ہوتا ہے تو خاک کو کیمیا بنتے اور مطرود و مردود کو مقبول بارگاہ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ یہ بات جہاں بہت ڈرنے کی ہے وہاں بڑی امید و حوصلہ کی بھی ہے۔ فرماتے ہیں :-

"ایں دولت بفضل است نہ باستحقاق، باللہ العظیم اگر باستحقاق بودے نصیب من و تو ذرہ نیامدے لکن علت از میان برداشتند تا چنانکہ پاکاں امیدوار ند بے باکان ناپاکاں ہزار چنداں دارند، ای سر مزیکہ آشیاں سگان است روا بود کہ سدرہ ملوک گردد ولیکن احباب درمیان است ، اگر می خواہی کہ بجائے و یا کسے گردی لا بد از آنجا

یہ دولت فضل الٰہی پر منحصر ہے نہ کہ استحقاق پر، بخدائے عظیم اگر معاملہ استحقاق پر ہوتا، تو میرے اور تمھارے حصہ میں ایک ذرہ بھی نہ آتا لیکن علت کو درمیان سے اٹھا لیا یہاں تک کہ جس طرح پاک نفوس اس دولت کے امیدوار رہیں بے باک و ناپاک ہزار چند امیدوار رہیں، وہ مزبلہ (گھورا) جو کتوں کی نشست گاہ ہے ہو سکتا ہے کہ بادشاہوں کی

[1] مکتوب چہل و یکم۔

کہ نہاد شوریدہ و آلودہ تست پیشتر باید
شد و قدمے چند باید زد از شریعت زاد
و راحلہ، و از حقیقت بدرقہ[١]

شہ نشین بن جائے لیکن حکمت الٰہی نے اس کے
کچھ اسباب بھی مقرر کر دیئے ہیں اگر تمھیں منظور ہے
کہ کسی مقام پر پہنچو یا کوئی چیز بن جاؤ چونکہ

تمھاری نہاد شوریدہ اور آلودہ ہے، مردانہ وار قدم اٹھانے پڑیں گے
اور شریعت سے زاد و راحلہ اور حقیقت سے بدرقہ لینا پڑے گا۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں:-

"فضل بے علت یکے را می نوازد و عدل
بے علت دیگرے را می گدازد، عمرؓ در بتخانہ
مقبول و عبداللہ بن ابی کعب در مسجد
مخذول رحمت بر جانش باد کہ گفت"

فضل بے علت ایک کو نوازتا ہے اور
عدل بے علت دوسرے کو پگھلاتا ہے، عمرؓ
بتخانہ سے نکال کر مقبول بنائے جاتے ہیں
اور عبداللہ بن ابی مسجد میں مخذول رہتا ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ (بیت) ——— ؎

آنرا کہ ہمی سوزی می دانی ساخت
وانرا کہ ہمی سازی می دانی سوخت

"اے برادر مراد ترا کار با جبارے و قہارے
افتادہ است کہ اگر خواہد بہشت را عین دوزخ
گرداند و دوزخ را عین بہشت، و از کعبہ
کلیسا برآرد و از بتکدہ کعبہ سازد در قدرتش[٢]

میرے بھائی، ہمیں تمھیں ایک جبار و قہار سے
واسطہ ہے، اگر چاہے بہشت کو عین دوزخ
قرار دے دے، اور دوزخ کو عین بہشت بنادے
کعبہ سے کلیسا برآمد کرے، اور بتکدہ کو

١ مکتوب پنجاہ ہشتم۔

هر دو یکے است ہیچ زہرہ نماندہ است کہ
آب نشدہ است خوف آنست کہ دمبدم
ولحظہ بلحظہ می لرزی و می ترسی بباید کہ
دست روے علت از پردۂ غیب پیدا شود
و قہریست اورا بے علت و لطفے است اورا
بے علت از لطف آلودۂ طلبد تا با آب
مغفرت بشوید تا پاکی لطف از دل پیدا آید
قہرش پاکی طلبد تا رویش بدود ہجراں سیاہ
کند تا پاکی سلطان قہر از اسباب ظاہر گردد
گاہ از زیر دامن شقی نبی بیروں آرد و گاہ
از زیر دامن نبی شقی پیدا آرد، گاہ سگے را
در صف اولیاء نشاند و گاہ ولی را در طویلہ
سگاں بندد ولکن چوں قبول خواہد کرد،
رد نکند و چوں رد خواہد کرد بہ ہیچ چیز
قبول نکند۔[1]

کعبہ بنا دیے، اس کی قدرت و قوت کے
سامنے سب ایک ہے، کس کا زہرہ ہے کہ
آب نہ ہوا ہو، خوف یہ ہے کہ دمبدم
ولحظہ بلحظہ لرزاں و ترساں رہو، کہیں ایسا
نہ ہو کہ اس کا دستِ قدرت بے علت
پردۂ غیب سے نمودار ہو، اس کا قہر بھی بے علت ہے
اور اس کا لطف بھی بے علت ہے، اپنے
لطف و مہربانی سے ایک آلودہ (معاصی) کو
طلب کرتا ہے تاکہ اس کو آبِ مغفرت سے
دھوئے، تاکہ لطف کی پاکی دل سے ظاہر ہو
اس کا قہر کبھی کسی پاک کو طلب کرتا ہے تاکہ
ہجر کے دھوئیں سے اس کا چہرہ سیاہ کرے
تاکہ سلطانِ قہر کا اسباب سے بے نیاز ہونا
ثابت ہو جائے، کبھی کسی شقی کے دامن کے
نیچے سے نبی کو باہر لاتا ہے، اور کبھی کسی نبی کے
دامن کے نیچے سے شقی کو پیدا کرتا ہے، کسی کتے کو اولیاء کی صف میں
بٹھاتا ہے اور کبھی ولی کو کتوں کے طویلہ میں باندھ دیتا ہے، لیکن

۱۔ مکتوب پنجاہ و ہفتم (۵۷)۔

جب وہ کسی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کو رد نہیں کرتا، اور کسی کو رد کر دیتا ہے تو پھر کسی کے بدلہ میں قبول نہیں کرتا ——

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"نظر بر قدرت و فضل او باید داشت اگر خواہد ہزار ہزار کلیسا و بتخانہ را کعبہ و بیت المقدس گرداند و ہزار ہزار عاصی و فاسق را حبیب اللہ و خلیل اللہ خطاب کند و علت درمیان نہ واگر خواہد بیک لحظہ ہزار ہزار کافر را مومن گرداند و ہزار ہزار مشرک و بت پرست را موحد گرداند و حیلتے درمیان نہ، و ہزار ہزار لعنتی را رحمتی و ہزار ہزار خراباتی را مناجاتی کس را زہرہ چون و چرا نہ"

نظر قدرت اور فضل پر رکھنی چاہئے، اگر چاہے ہزار ہزار کلیسا اور بتخانہ کو کعبہ اور بیت المقدس بنادے اور ہزار ہزار عاصیوں و فاسقوں کو حبیب اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب دے، علت درمیان میں نہیں ہے، اگر چاہے ایک لحظہ میں ہزار کافروں کو مومن بنادے اور ہزار ہزار مشرکوں اور بت پرستوں کو موحد کر دے، اس کے لئے کسی حیلت کی ضرورت نہیں، ہزار ہزار لعنتیوں کو رحمتی اور ہزار ہزار خراباتیوں کو مناجاتی بنادے، کسی کو چون و چرا کا زہرہ نہیں ہے —————— ۵

ہست سلطانی مسلم مر ترا
نیست کس را زہرۂ چون و چرا

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند * لسا رند خراباتی کہ زین بر شیر بر بندد[۱]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :-

---

[۱] مکتوب شصت و دوم (۶۲)

"خود آں کند کہ خواستہ است نہ ہلاک کس بیند	جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ کسی کی ہلاکت کی
ونہ نجات کس یکے در بادیہ بہ تشنگی جان می داد	پرواہ ہے نہ کسی کی نجات کی، ایک صحرا میں
و می گفت چندیں دریا ہائے آب و من تشنہ نگاہ	پیاس سے جان دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پانی کے
جان می دہد از غیب ندا شنید کہ ہزار	اتنے دریا بہہ رہے ہیں اور میں پیاس سے جان
ہزار صدیق در بادیہ خونخوار آریم و بہ تیغ	دے رہا ہوں، غیب سے صدا آتی ہے کہ ہزاروں
مشیت خود ہمہ را ہلاک کنیم تا زاغے چند را	صدیقین کو ہم خونخوار جنگل میں لاتے ہیں اور
از کلہ و دیدۂ ایشاں قوت سازیم و اگر	اپنی تیغ مشیت سے سب کو ہلاک کر دیتے ہیں
معترضے زبان اعتراض برخواست ما بکشاید	تاکہ کچھ زاغ و زغن ان کے کلہ اور دیدہ سے
ایں مہر سیاست بر زبان او نہیم کہ لایسئل	اپنی روزی حاصل کریں، اگر کوئی معترض
عما یفعل زاغ زاغ ما صدیق صدیق	زبان اعتراض کھولتا ہے تو ہم اس کی
ما فضول درمیانہ کیست؟"[1]	زبان پر یہ کہہ کر مہر لگا دیتے ہیں کہ:—

لا یسئل عما یفعل۔ پرندے بھی ہمارے ہیں اور صدیق

بھی ہمارے، بیچ میں سوال و اعتراض کرنے والا کون؟ ۔

ایک دوسرے مکتوب میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، اور یہ کہ دونوں طرح کے معاملوں کا امکان ہے، اور دونوں کے بیشمار واقعات، ایسا پُراثر مکتوب تحریر فرماتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے:—

"اے برادر راہ ناایمن است منزل بس دور	میرے بھائی راستہ غیر محفوظ ہے، منزل دور،

[1] مکتوب پنجاہ و ششم (۵۶) ۔

و محبوب و مطلوب نا متناہی و قالبے ضعیف و	محبوب و مطلوب نا متناہی، جسم ضعیف، دل بیچارہ
دلے بیچارہ و جانے عاشق و سرے مشتاق"	جان عاشق، سر مشتاق ــــــ
بیت ــــــ ؎	شاعر کہتا ہے : ــــــ

جز جان و جگر نیست شکار خور تو

زانست کہ ہر سر کہ ندار د سر تو

| "بس خرمن طاعت کہ بوقت نزع وقد منا الی ما عملوا بباد بے نیازی بر دہند وبس سینہ آباداں کہ در حالت سکرات موت وبدا لھم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون، خراب کنند بس روئے کہ در لحد از قبلہ بگردانند، بس آشنا را کہ در شب نخستیں بیگانہ خوانند یکے را گویند نم کنومۃ العروس، دیگر را گویند نم کنومۃ المنحوس، روئے می آید کہ بہ ہیچ طاعت باز نگردد" | کتنے خرمنِ طاعت ہیں جو نزع کے وقت وقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثورا کی بے نیازی کی آندھی کے نذر ہو جاتے ہیں، اور کتنے آباد سینے ہیں جن کو سکرات موت میں وبدا لھم من اللہ ما لم یکونوا یحتسبون کا فرمانِ سلطانی ویران کر دیتا ہے، کتنے چہرے ہیں جن کو لحد میں قبلہ سے پھیر دیتے ہیں، کتنے آشنا ہیں جن کو پہلی ہی شب میں بیگانہ کہہ دیتے ہیں، کتنے ہیں |

جن سے کہا جاتا ہے "نم کنومۃ العروس" اور دوسرے سے ارشاد ہوتا ہے "نم کنومۃ المنحوس" کبھی ایسا روگرتے ہیں جو کسی طاعت پر بھی واپس نہیں لیتے ۔ شعر ؎

من لم یکن للوصال اھلا ❊ فکل احسانہ ذنوب

"وقبولے می آید کہ از ہیچ معصیت نیندیشد" شعر ؎

اور کبھی ایسا قبول کرتے ہیں کہ پھر کسی معصیت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

فی وجهه شافع یمحو اساءته
من القلوب ویأتی بالمعاذیر

"خلیلؑ را از بتخانہ آزر بین، و یخرج الحي من المیت می خواں وکنعاں را درسرائے نوحؑ بنگر و یخرج المیت من الحي بیداں، اثبات آدمؑ بہ بیں کہ زیاں ذلت محو نگردد و محو ابلیس بہ بیں کہ اثبات طاعت سود نداشت چنانکہ لهم البشری خوانندگاں راہمراہ است لا بشری یومئذ للمجرمین راندگان راہ درراہ است چنانکہ سیماهم فی وجوههم من اثر السجود بیان است یعرف المجرمون بسیماهم نشان است"

خلیل اللہؑ کو بتخانہ سے نکلتا ہوا دیکھو اور یخرج الحي من المیت پڑھو، کنعاں کو نوحؑ کے گھر سے باہر آتا ہوا دیکھو اور یخرج المیت من الحي کو یاد کرو، آدمؑ کے نقش کو ایسا دوام بخشا کہ لغزش کا نقصان بھی اس کو مٹا نہ سکا، ابلیس کو حرف غلط کی طرح ایسا مٹایا کہ بڑی طاعتوں کے حق نے بھی اُس کو کچھ فائدہ نہ پہونچایا جس طرح کسی کے لئے لهم البشری کی بشارت ہے اسی طرح راندگانِ درگاہ کے لئے لا بشری یومئذ للمجرمین کا اعلان بھی، جیسے کہیں سیماهم فی وجوههم من اثر السجود ہے، ایسے ہی یعرف المجرمون بسیماهم بھی۔

شاعر نے ٹھیک کہا ہے

(رباعی)

غافل منشیں ز خویش چوں بیخبرے ⁂ حاصل کن ازیں جہانِ فانی ہنرے
خود بنشیند غبار ز شک برخیزد ⁂ کاسپ است بر برداشت یالا شہ خرے

"تا توانی با دل شکستہ باش و خراب"[۱] | جہانتک ہو سکے دل شکستہ رکھو اور ویران

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہِ مطلق کے صفات و معاملات جمالی جلالی قہاری و غفاری دونوں اپنا اپنا عمل کرتے ہیں، اور یہ دونوں صفتیں اپنے عمل میں ایسی آزاد ہیں اور عالم میں اُن کے ایسے تصرفات ہیں کہ مومن کے لئے خوف و رجا (اُمید و بیم) کے درمیان رہنے کے سوا چارہ نہیں۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی شان فعالٌ لما یرید کی تشریح کرتے ہوئے، وہ اس کی مثالیں دیتے ہوئے اپنے اس زورِ قلم اور اس یقین و وثوق کے ساتھ جو انھیں کا حصہ ہے، لکھتے ہیں :-

"گاہ لطف بے علت می گوید کہ در آ، کہ این جا گرد قدم سگے توتیائے دیدۂ دوستاں می سازند و بہ تشریف وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید در کلام مجید خود تا قیامت می نوازند گاہ قہرے علت ندا می کند الحذر الحذر اینجا معلم ملکوت را کہ ہفصد ہزار سال معتکف درگاہ بود لباس ملکی از سرش بر می کشند و داغ وان علیک لعنتی بر پیشانی آدمی	کبھی لطف بے علت کہتا ہے کہ اندر آجا کہ یہاں کتے کے پاؤں کی گرد کو بھی دوستوں کی آنکھ کی توتیا بناتے ہیں، اور وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید کہہ کر قیامت تک کے لئے کتے کا مرتبہ بڑھاتے ہیں، اور کبھی قہر بے علت آواز دیتا ہے کہ خبردار خبردار یہاں معلم الملکوت کے سر سے جو سات لاکھ سال معتکف درگاہ رہا ہے لباس ملکی اُتار کر وان علیک لعنتی

[۱] مکتوب ہفتاد و ہفتم (۷۷)۔

نهند گاه عمرے راکه بیگانه بود در کلیسا از
پیش بت بر می دارند و می گویند
انا لك شئت ام ابیت و انت
لی شئت ام ابیت، گاه بلعم بن باعور
راکه یگانه بود و اسم اعظم خلعت داشت از
مسجد بیروں می کنند و در طویلۂ سگاں می
بندند و می گویند فمثله کمثل الکلب
ان تحمل علیه یلهث گاه هزار
آسیاء بلا در حاء عنا بر دل و جگر مرید
می رانند، گاه هزاراں ساکنان خطائر
قدس را بر استقبال می فرستند و بلطف
می خوانند، گاه کوہے می بخشند، گاه
کاہے نگزارند، گاه در صدر بهشت
نشانند، گاه بیروں کنند و بر در
نگزارند، ایں جا عقل و علم نگونسار ند،
ایں جا پیر و مرید نقش بر دیوار اند ایں جا
"فعال لما یرید" است، ایں جا
یفعل الله ما یشاء و یحکم
ما یرید" است[1]

کا داغ اس کی پیشانی پر لگا دیتے ہیں، کبھی
عمر کو جو بیگانہ تھا بُت کے سامنے سے ہٹا کر
اپنے پاس بُلا کر کہتے ہیں میں تمھارا ہوں
چاہو یا نہ چاہو، اور تم میرے ہو چاہو یا
نہ چاہو، اور کبھی بلعم باعور کو جو یگانہ تھا
اور اسم اعظم کے خلعت سے سرفراز تھا
مسجد سے باہر کھینچ کر کتوں کے طویلہ میں
باندھ دیتے ہیں اور کہتے ہیں فمثله
کمثل الکلب ان تحمل علیه
یلهث (اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی ہے
کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے، اور
اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے تب بھی
ہانپے) کبھی ہزار بلاؤں اور تکلیفوں کی چکیاں
طالب کے دل و جگر پر چلاتے ہیں، کبھی کبھی
ہزار در ہزار ساکنین حظیرۃ القدس کو اس کے
استقبال کے لئے بھیجتے ہیں، اور بڑی
مہربانی اور دلنوازی کے ساتھ اس کو اپنے
پاس بلاتے ہیں، کبھی کبھی پورا پورا پہاڑ
بخش دیتے ہیں اور کبھی ایک تنکا بھی نہیں

[1] مکتوب ہفتاد و ہشتم (۷۸)۔

چھوڑتے، کبھی بہشت کے صدر مقام پر بٹھاتے ہیں، اور کبھی ایسا باہر
نکالتے ہیں کہ دروازہ پر بھی نہیں چھوڑتے، یہاں عقل وعلم نگونسار ہیں
اور پیر ومرید نقش بر دیوار، یہاں فعال لما یرید کا ظہور ہے، اور
یفعل اللہ ما یشاء ویحکم ما یرید کی تجلّی۔

دریائے رحمت کا جوش

اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی واستغنا، اختیارِ مطلق، قدرتِ کاملہ اور جباری اور قہاری کے متعلق اوپر ایسے اقتباسات گذر چکے ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے، اور کچھ عجب نہیں کہ ایک مخلص اور صاحبِ یقین کی زبان سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر و تحریر کی پوری قوت عطا فرمائی ہے، پڑھنے والے پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کو اپنا کہیں ٹھکانا نظر نہ آئے۔ علمائے ربّانی اور نائبین رسولِ بشیر و نذیر کا نمونہ ہوتے ہیں، اور وہ بندگانِ خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے، بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں، اور عمل وکوشش پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہی انبیاءؑ کی بعثت اور ان کے نائبین کی دعوت اور جدوجہد کا مقصود ہے۔ جلال کے ساتھ جمال، قہاری کے ساتھ غفاری کی شان بھی اسی وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ورحمتی وسعت کل شیئٍ اور قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسهم لا تقنطوا من رحمة اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انه هو الغفور الرحیم کی تفصیل اسی بلاغت اور خطابت کے ساتھ فرماتے ہیں:۔

جس بلیغ و پُرزور متکلم نے آفتابِ قہر کی تابش وسوزش اور شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی اور بے پرواہی کو بیان کیا تھا، اب وہ اسی زور اور بلاغت کے ساتھ دریائے رحمت کی طغیانی اور خدائے کریم ارحم الراحمین کی آمرزش وبخشش اور ذرّہ نوازی کا نقشہ کھینچتا ہے، اور اس طرح دعوت میں توازن پیدا ہوتا ہے جو انبیاءِ کرامؑ کا ورثہ اور اُن کے نائبینِ برحق کا حصّہ ہے، فرماتے ہیں:۔

"اے برادر چوں دریائے رحمت حق موج کرامت و مغفرت زند جملہ زلات و معاصی منعدم و لاشئی گردد ہمہ عیب رنگ ہنر گیرد زیرا کہ زلت و معصیت لم یکن است و رحمت لم یزل است لم یکن بالم یزل کے برابر تواند شد او را با ایں خاک کار برحمت است و اگر نہ ایں سیاہ گلیم وجود ما و ایں ذرۂ خاک ناپاک ما را کے زہرہ بودے کہ قدم بر حاشیہ بساط مالک الملک نہادے اے بسا خراباتی در روئے؟ حدیث شیطان در روئے مالیدہ و درخت روزگارش در مزبلۂ شہوات ببالیدہ ناگاہ علی الفتوح رسول مقبول وصول پدید آمدہ گفتہ الحبیب یقرئک السلام و یقول لی معک کلام۱ "

میرے بھائی جب اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کرامت و مغفرت کی موج اٹھتی ہے تو تمام لغزشیں اور معاصی معدوم و فنا ہو جاتے ہیں اور سب عیب، ہنر بن جاتے ہیں اس لئے کہ زلت و معصیت حادث اور فانی ہے اور رحمت حق لم یزلی، حادث و فانی ابدی اور لم یزلی کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں، اس مشت خاک کا سارا دار و مدار رحمت ہی پر ہے، ورنہ ہمارے اس وجود کی یہ سیاہ گلیم اور ہماری خاک ناپاک کے اس ذرہ کا کیا حوصلہ تھا کہ مالک الملک کے حاشیۂ بساط پر قدم رکھتا، کتنے اہلِ خرابات ہیں جن کے چہرہ پر شیطان نے سیاہی مل دی ہے اور جن کی قسمت کا درخت خواہشات نفسانی کے مزبلہ میں اُگا ہے ناگاہ قبولیتِ حق کا قاصد نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ محبوبِ حقیقی تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

---

۱ مکتوب پنجاہ و ششم (۵۶)۔

صلائے عام

وہ اپنے مکتوب الیہ کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور اصلاح حال ترقی اور خدا کی رحمت کا ایسا شوق دلاتے ہیں کہ گویا مائدہ شاہی چنا ہوا ہے اور ساری دنیا کو صلائے عام ہے اور میخانۂ رحمت جوش پر ہے، یہاں محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں، اور یہ کہ مطلوب خود طالب کو سہارا دینے والا اور اپنی طرف کھینچنے والا ہے، ورنہ کہاں یہ ظلوم وجہول، حادث وفانی انسان کہاں وہ ملک قدوس۔ لیس کمثلہ شیئ۔ ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

"در کرم باز است و مائدہ کشیدہ بشتاب	دروازۂ کرم کھلا ہوا ہے اور دسترخوان لگا ہوا ہے
و خود را دریاب اے برادر از آنجا کہ بشر است	جلدی کرو اور اپنے کو پالو اے بھائی بشر کیا
طلب او چہ تواند بود اما کرم فیاض نہ خواجہ	بشر کی طلب کیا! لیکن کرم بے نہایت نہ آقا کو
را می گذارد و نہ غلام را و نہ تونگر را و نہ	چھوڑتا ہے نہ غلام کو، نہ غنی کو نہ فقیر کو،
درویش را، چوں آفتاب از برج خویش	جس طرح کہ آفتاب جب اپنے بُرج سے
طالع گردد اگر اہل عالم کمر طلب در میان	طلوع کرتا ہے اگر اہلِ عالم کمر ہمت باندھ لیں
بندند تا ذرہ از نور او بدست آرند نتوانند	کہ اس کے نور کا ایک ذرّہ اپنے ہاتھ میں
ولکن او خود بحکم کرم چنانچہ در کوشک	لے لیں اس پر وہ قادر نہیں، لیکن وہ خود
سلطانان و سرائے خواجگان بتابد در کلبۂ	اپنی سخاوت وفیض عام کی بنا پر جس طرح
گدایان و زاویہ اندوہ درویشان نیز بتابد	کوشکِ سلطانی پر اور سرائے اُمرا پر چمکتا ہے
و خاک و آب را ہمیں ایں دولت را ہیں	فقیروں اور بے نواؤں کے کلبۂ احزان کو
کہ یحبھم و یحبونہ، و دیگر	بھی روشن کرتا ہے، تم خاک و آب کو مت دیکھو

الی اللہ ولی الذین آمنوا و دیگر سقاھم ربھم ملک مقرب را این تشریف و خلعت کہ تراہست نیست فرشتگان مقرب و معصوم ہستند و پاکان و مقدسان و مسبحان و روحانیان ہستند ولیکن خود کار آب گل دیگر است "

اس دولت و اقبال کو دیکھو کہ یحبھم و یحبونہ، ارشاد ہے ایک جگہ فرماتا ہے اللہ ولی الذین آمنوا، دوسری جگہ فرماتا ہے وسقاھم ربھم، مقرب فرشتے کو بھی یہ عزت و خلعت حاصل نہیں جو تم کو حاصل ہے۔ ملائکہ مقرب ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں، بڑی تسبیح و تقدیس کرنے والے اور بڑے رُوحانی ہیں، لیکن آب و گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

کریم نکتہ نواز

رحمت کی اس وسعت اور خود رحیم کی دستگیری، چارہ سازی اور نکتہ نوازی کی بنا پر وہ بڑے سے بڑے عاصی اور آلودۂ معاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ رجوع و انابت سے کام لے، اور صدق دل سے توبہ کر کے اپنی قسمت اور اپنی حقیقت میں بڑی سے بڑی تبدیلی پیدا کرلے، وہ اس موقع پر گناہگاروں اور ان بے قیمت چیزوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی دیکھتے دیکھتے قسمت بدل گئی، اور وہ بے قیمت سے بیش قیمت بن گئیں۔ گناہ کتنے زیادہ ہوں خدا کی رحمت ان سے کہیں وسیع اور کہیں قوی اور غالب ہے۔ سودا کتنا ہی عیب دار و ناقص ہو جب نقاد خریدار نے خرید لیا تو پھر اس میں کیا عیب رہ جاتا ہے، اور کسی کا کیا مُنہ ہے کہ اس میں عیب نکالے۔ فرماتے ہیں:۔

"اے برادر ہر چند آلودۂ و ملوثے چنگ بتوبہ زن و امیدوار باش کہ از سحرۂ فرعون آلودۂ تر نۂ، و از سگ اصحاب کہف ملوث تر نۂ، و از سنگ طور سینا جماد تر نۂ،

اے بھائی تم کتنے ہی آلودہ و ملوث ہو دامنِ توبہ تھام لو، اور اُمیدوارِ رحمت بنجاؤ کہ تم نہ ساحرانِ فرعون سے آلودہ تر ہو اور نہ اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ گندے

داز چوب حنانہ بے قیمت تر نہ، غلام را
اگرچہ از حبش آرند چہ زیاں دارد و چوں خواجہ
اش کافور نام نہد، چوں ملائکہ گفتند کہ مارا
بفساد ایشاں طاقت نیست ندا آمد آرے
اگر بر در شما فرستم رد کنید و اگر بر دست شما
بفروشم مخرید می ترسید کہ معصیت ایشاں از
رحمت ما زیادت آید یا می ترسید کہ
آلودگی ایشاں بر کمال قدوسی ما لوثی آرد
ایں مشتے خاکپا انند کہ در حضرت ما مقبول
آنند، چوں قبول ما آمد معصیت و آلودگی
ایشاں را چہ زیاں کند۔

نہ طورِ سینا کے پتھر سے زیادہ بڑھ کر جماد، اور نہ
ستونِ حنّانہ[1] سے بڑھ کر بے قیمت، غلام کو
اگر حبش سے پکڑ کر کے لاتے ہیں تو کیا عیب
کی بات ہے جبکہ اس کا آقا اس کو کافور
لقب دیتا ہے۔ جب ملائکہ نے عرض کیا کہ
ہم کو اس مشتِ خاک کے فساد کی طاقت نہیں،
آواز آئی کہ اگر ہم اس کو تمہارے دروازے
بھیجیں رد کر دینا، اگر تمہارے ہاتھ
بیچیں تو مت خریدنا، تم ڈرتے ہو کہ ان
انسانوں کی معصیت ہماری رحمت سے
زیادہ ہوگی، یا اس سے ڈرتے ہو کہ ان کی
آلودگی ہمارے کمالِ قدوسیت پر داغ ڈال دے گی، یہ مشتِ خاک ہیں جو
ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں اور ہمیں قبول ہیں، انکی معصیت و آلودگی
سے کیا نقصان۔

شاعر نے خوب کہا ہے ؎

[1] "ستونِ حنانہ" مسجد نبوی کا وہ چوبیں ستون تھا جس کے سہارے سے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبر نبوی بن گیا اور آپ نے اس پر ایستادہ ہو کر خطبہ دینا شروع فرمایا، تو دردِ فراق سے لکڑی کے اس ستون کی چرچراہٹ کی آواز سنی گئی۔ ۱۲

سراسر ماہمہ عیبیم بدیدی و خریدی تو
زہے کالائے پر عیب و زہے لطفِ خریداری[1]

توبہ کی تاثیر

توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے، توبہ کی کیفیت اور اس کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"توبہ ایں بود مرید بحقیقت ایں جا تائب گردد، وایں را گردش خوانند یعنی از حال پلیدی و آلودگی بحال پاکی بگشت کلیسا بود مسجد گشت بتخانہ بود صومعہ گشت، دیو بود آدمی گشت خاک بود زر گشت، شب تار بود روزِ روشن گشت آں گاہ بر دل مرید آفتاب ایمان طالع شود و اسلام جمال خود بنماید و بر سر کوئے معرفت راہ یابد[2]"

توبہ اس طرح ہوتی ہے اور مرید اس موقع پر تائب ہوتا ہے اس کو گردش کہتے ہیں یعنی پلیدی اور آلودگی کی حالت سے پاکی کی حالت میں وہ تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا مسجد ہو گیا، بتخانہ تھا عبادت گاہ بن گیا، سرکش تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا، اندھیری رات تھی روز روشن ہو گیا، اس وقت مومن کے دل پر ایمان کا آفتاب طلوع کرتا ہے اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے اور کوچۂ معرفت کی وہ راہ پاتا ہے۔

---

[1] مکتوب دوم (۲)۔

[2] مکتوب بست و نہم (۲۹)۔

باب ہشتم
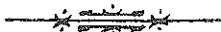
مرتبۂ انسانیت

ایک انقلاب انگیز دعوت

کتاب کے موثر ترین حصوں میں سے ایک حصہ وہ ہے جو انسان کے مقام اور مرتبہ، قلبِ انسانی کی وسعت و رفعت، انسان کی صلاحیتوں، اس کی ترقی کے امکانات، اور محبت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھا گیا ہے۔

اس موضوع پر نظم میں حکیم سنائیؒ، خواجہ فریدالدین عطارؒ اور مولانا رومؒ نے بہت کچھ فرمایا ہے لیکن نثر میں حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے مکتوبات سے زیادہ طاقتور، بلیغ اور موثر تحریر نظر سے نہیں گذری۔ ان کو پڑھ کر انسان کے دل میں اعتماد و حوصلہ جرأت و ہمت، اُمید و رجا، ترقی و پرواز، اور ان انتہائی کمالات تک پہونچنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے، جو انسان کے لئے مقدر ہیں، اور اس یاس و نا اُمیدی کم حوصلگی و بے اعتمادی افسردگی و شرمندگی کا ازالہ ہوتا ہے جو "خودشکنی" و "خود انکاری" کے بعض کوتاہ اندیش مبلغوں نے پیدا کر دی تھی، اور جس کے نتیجہ میں انسانیت ننگ و عار اور ایک ناقابلِ اصلاح فطری عیب اور ناقابلِ تلافی تقصیر بن گئی تھی، اور در و دیوار سے یہ صدا آنے لگی تھی۔ ع

وجودك ذنب لا يقاس به ذنب[1]

[1] اے انسان تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔ ۱۲

اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ انسان کی ترقیات میں خود انسانیت سب سے بڑھ کر سدِ راہ اور ایک سنگِ گراں ہے جس کو راستہ سے ہٹانا انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے، انسان اپنے کو "محسود و مسجود ملائکہ" سمجھنے کے بجائے فرشتوں پر رشک کرنے لگا تھا، اور اس ناسوتی فطرت اور خصائص انسانیت سے منحرف اور باغی ہو کر اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرنے اور فرشتوں کی تقلید کرنے کا خواہش مند نظر آتا تھا۔

اس فضا میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ایک نامانوس آواز بلند کی اور اس جوش اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت اور اسکے خلیفۃ اللہ ہونے کا اعلان کیا، اور اس مضمون کو اپنے مکتوبات میں اتنے بار دہرایا اور مختلف اسالیب اور طریقوں سے اس کو بیان کیا، کہ اگر اس کو یکجا جمع کر دیا جائے، تو اس موضوع پر ایک ایسا ادبی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جس کو پڑھ کر انسان کا دل حوصلوں اور اُمنگوں سے معمور ہو جاتا ہے اور انسان کے قلبِ افسردہ اور تنِ مردہ میں زندگی کی روح دوڑ جاتی ہے اور اس کو اپنی انسانیت پر ناز ہونے لگتا ہے۔

خالق کی نظرِ خاص

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودات و مصنوعات تو بہت تھے، اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر، لیکن محبوبیت و خلافت کی خلعتِ فاخرہ ضعیف البنیان انسان ہی کے جسم پر راست آنے والی تھی، وہ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں، اس سے گناہوں کا صدور مستبعد نہیں، لیکن خالق کی نظرِ عنایت سب کی تلافی کے لئے کافی ہے، اور یہ وہ پاسنگ ہے کہ ترازو کے جس پلڑے پر رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے گا۔ فرماتے ہیں :-

"موجودات بسیار بودند و مصنوعات بیشمار	موجودات بہت اور مصنوعات بیشمار تھے،
لیکن باہیچ موجودے ایں کار نبود کہ بآب و گل	لیکن کسی ہستی کے ساتھ وہ معاملہ نہیں تھا جو
چوں رب العزت خواست کہ نقطۂ خاک را	اس مٹی پانی کے مجموعہ کے ساتھ تھا، جب

لباس وجود پوشاند و بر سریر خلافت نشاند
ملائکہ ملکوت گفتند "اتجعل فیھا
من یفسد فیھا" لطف قدیم جواب داد
"لیس فی الحب مشورۃ" عشق و تدبیر
بہم جمع نشوند تسبیح و تہلیل شما را چہ خطر اگر
قبول ما نبود و ایشاں را از گناہ چہ ضرر
چوں ساقی لطف ما قدح عفو در دست
ایشاں نہد" فاولئک یبدل اللہ
سیاٰتھم حسنات" بلے شمار است
روید و ایشاں ہرگونہ روند لیکن چوں
با ایشاں را خواستم بساط رحمت گستردیم
اگر بر جبیں خطے از معصیت پدید آید محبت
ما آں را بلطف بردارد شما آں می بینید کہ
سرو کار ایشاں با ماست در معاملت آں
نمی بینید کہ سرو کار ما با ایشاں است در
محبت چنانکہ قائلے گفتہ است شعر
واذا الحبیب اتی بذنب واحد
جاءت محاسنہ بالف شفیع[1]

رب العزت کو منظور ہوا کہ اس خاکی پتلے کو
وجود کا لباس پہنائے اور خلافت کے تخت پر
بٹھائے، ملائکہ ملکوت نے عرض کیا کہ :-
"آپ زمین میں ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنا کر
بھیجنا چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کرے گی"
لطف قدیم نے جواب دیا "محبت میں مشورہ
نہیں ہوتا، اور عشق و تدبیر جمع نہیں ہوتے"
تمہاری تسبیح و تہلیل کی کیا قیمت ہے، اگر ہمیں
قبول نہ ہو، اور ان کو گناہوں سے کیا نقصان
اگر ہمارے لطف و عنایت کا ساقی عفو و
معافی کا پیمانہ ان کے ہاتھ پر رکھ دے —
پس اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو بھلائیوں میں
تبدیل کر دے گا، ہاں تم ہمیشہ سیدھے راستے
میں چلنے والے ہو، اور وہ ہر طرف چلیں گے،
لیکن جب ہم نے ان کو چاہا تو رحمت کا فرش
ان کے لئے بچھایا، اگر ان کی پیشانی پر گناہ
کوئی لکیر ڈال دے گا ہماری مہربانی اس کو
مٹا دے گی۔ تم یہ تو دیکھتے ہو کہ معاملات میں

[1] مکتوب سی و ہشتم - ۱۲

ہم ان کے مطلوب ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ محبت میں وہ ہمارے
مطلوب ہیں۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ———— ؎
کہ محبوب سے ایک گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار سفارشی
لاکر کھڑا کر دیتے ہیں۔

امانت محبت | ایک دوسری جگہ انسان کی محبوبیت اور اختصاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

"مخلوقات دیگر را با محبت کار نبود کہ
ہمت بلند نداشتند آں کار ملائکہ کہ راست
بینی ازاں ہست کہ با ایشاں حدیث محبت
نرفتہ است وایں زیر و زبرے کہ در راہ
آدمیاں می بینی ازاں ست کہ با ایشاں
حدیث محبت رفت کہ "یحبھم ویحبونہ"
پس ہر کرا شمۂ محبت بمشام او رسیدہ است
کو دل از سلامت بردارد و خود را وداع
کند کہ "المحبۃ لا تبقی ولا تذر"
بیت۔ ؎
عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنے بسلامت و بساماں بودم
چوں نوبت درد دولت آدم درآمد خروشے

دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی سروکار
نہ تھا کہ وہ ہمت بلند نہیں رکھتی تھیں،
ملائکہ کے کام میں جو تم کو یکسانی اور یک رنگی
نظر آتی ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ
حدیث محبت کے مخاطب نہیں، اور یہ جو
آدمیوں کے راستے میں نشیب و فراز نظر آتے ہیں
وہ اس وجہ سے کہ ان کے ساتھ محبت کا
معاملہ ہے۔ پس جس کے مشام جان تک
محبت کی خوشبو پہونچی اس کو چاہئے کہ
سلامتی کو سلام کرے اور خود کو وداع کرے کہ
محبت کسی چیز کی روادار نہیں شاعر نے کہا ہے ؎
عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنے بسلامت و بساماں بودم

وجوشے در مملکت افتاد گفتند چہ افتاد کہ
چندیں ہزار سال تسبیح وتہلیل مارا بباد
بردادند وآدم خاکی را برکشیدند و برگزیدند
ندا شنیدند کہ شما بصورت خاک منگرید بدا[1]
ودیعت پاک نگرید کہ یحبہم ویحبونہ
وآتش محبت در دلہا ایشاں زدہ است"

جب آدمؑ کی قسمت واقبال کا ستارہ
بلند ہوا تو کائنات میں ایک تلاطم برپا ہوا
کہنے والوں نے کہا کہ اتنے ہزار سال کی ہماری
تسبیح وتہلیل کو نظر انداز کر دیا، اور خاک کے
پتلے آدمؑ کو سرفراز کیا گیا اور ہم پر ترجیح
دی گئی۔ آواز آئی کہ "تم اس خاکی صورت کو
مت دیکھو، اس پاک جوہر کو دیکھو جو اُن کے اندر ودیعت ہے" یحبہم
ویحبونہ۔ محبت کی آگ اُن کے دلوں میں لگائی گئی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اِس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"خدائے عزوجل را ہشتاد ہزار عالم است
ایں جملہ ازیں حدیث فارغ اند وحظے
ونصیبے ندارند الا آدمی کہ ایں کرامت
ہیچ نوع از انواع موجودات دیگر راندادند
ازیں جاست کہ گفت آنکہ گفت"

بیت ؎

پناہے بلندی وپستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی[2]

اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے لیکن
یہ سب مخلوقات حدیث سوز ومحبت سے بے تعلق ہیں
اور انکو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا، یہ دولت تو
آدمی ہی کے حصہ میں آئی، موجودات کی دوسری
اقسام میں سے کسی قسم کو بھی یہ شرف عطا نہ ہوا۔
اسی لئے کسی کہنے والے نے کہا ہے۔ ؎

پناہے بلندی وپستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

[1] مکتوب چہل وششم (۴۶)۔ [2] مکتوب پنجاہ ونہم (۵۹)۔

حاصلِ وجود

ایک دوسرے مکتوب میں آب وگل کی اس قسمت و عزت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان کا حاصلِ وجود اور اس پورے نظامِ خلق و تکوین کا مقصود ہے، اور اس کو محبوبیت و اختصاص حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :-

"اے برادر دولتِ آب و خاک نہ اندک است و کارِ آدمؑ و آدمیاں نہ مختصر، عرش و کرسی و لوح و قلم و آسمان و زمین ہمہ بہ طفیل اوست، استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ گفت اگر آدم را خلیفہ گفت و خلیل را "اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا"، گفت و موسیٰ را "واصطنعتک لنفسی" گفت، و ما را یحبھم و یحبونہ گفت، گفتہ اند اگر ایں حدیث را با دلہائے مناسبت نبودے دل خود دل نبودے و اگر خورشید محبت بر جانہائے آدم و آدمیاں نتافتے کار آدم چوں موجودات دیگر بودے[1]۔"

میرے بھائی، مٹی پانی کا اقبال کچھ کم نہیں اور آدمؑ اور آدمیوں کا مرتبہ معمولی نہیں، عرش و کرسی لوح و قلم آسمان و زمین سب انسان ہی کے طفیل میں ہیں۔ استاد ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنا خلیفہ کہا، حضرت ابراہیمؑ کو خلیل اللہ کا لقب دیا (واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا) اور حضرت موسیٰؑ کیلئے ارشاد ہوا کہ میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا اور مومنین کے متعلق ارشاد ہے :- "یحبھم و یحبونہ"، لوگوں نے کہا ہے کہ اگر اس حدیثِ محبت کو دلوں سے مناسبت نہ ہوتی تو دل، دل کہلانے کا مستحق نہ ہوتا۔ اور اگر آفتابِ محبت آدمؑ و اولادِ آدم کے جان و دل پر ضیا پاشی نہ کرتا، تو آدمؑ کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

---

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)۔

بارِ امانت انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اس بارِ امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے آسمان وزمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور اس ظلوم وجہول انسان نے اس کو اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھالیا، اس کی بے مائگی اور بے نوائی کام آئی، خاک کے ذرہ نے سوچا کہ اگر اس بارِ عظیم کے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی ہوئی، تو اس کے پاس کیا ہے جو لے لیا جائے گا، اور خاک کے نیچے کون سا مرتبہ ہے جس پر اُتار دیا جائے گا، وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی "ھل من مزید" کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ایک مکتوب میں جو اَدب، زورِ بیان اور تاثیر کے اعلیٰ نمونوں میں سے ہے، فرماتے ہیں :-

"آب وخاک را کارے بلند است وہمتے بس بزرگ، ہر چند فقر وفاقہ وگدائی وبینوائی اصل اوست چوں آفتاب امانت در آسمان عرض نیافت ملائکہ ملکوت کہ ہفصد ہزار سال در ریاض تقدیس وتسبیح چریدہ بودند نعرۂ نحن نسبح بحمدک زدہ مسکین وار رخت بلینوائی بر بستند وبعجز خود معترف گشتند " فابین ان یحملنھا" ہمچنیں آسماں گفت مرا صفت رفعت است وزمین گفت مرا خلعت بسط است وکوہ گفت مرا صفت ثبات است ومعدن جواہر گفت بناید کہ دریا آستے

آب وخاک کا مرتبہ بلند ہے اور ہمت بڑی، ہر چند فقر وفاقہ گدائی وبینوائی اس کے خمیر میں داخل ہے لیکن جب آفتاب امانت آسمانِ وجود میں درخشاں ہوا ملائکہ ملکوت نے جو سات لاکھ سال سے تقدیس وتسبیح کے چمنستان سے اپنی غذا حاصل کر رہے تھے اور "نحن نسبح بحمدک" کا نعرہ بلند کر رہے تھے عاجزانہ اپنی بے بسی کا اظہار اور اپنے عجز کا اعتراف کیا "فابین ان یحملنھا" اور اس بارِ گراں کے اٹھانے سے معذوری ظاہر کی۔ آسمان نے کہا کہ میری صفت رفعت ہے۔ زمین

راہ یابد، آں ذرۂ خاک بیباک دست نیاز
از آستین فقر وفاقہ بیروں آوردو آں بارِامانت
بجان گرفت واز دو عالم بذرہ ہیند یشید گفت
مراچیست کہ ازمن بستانند چیزے را
کہ خوار کنند در خاک مالند خاک را درچہ
مالند مردانہ پیش آمد بارے کہ اہل ہفت
آسمان وزمین نکشید ند بر خود نہادہ
ونعرۂ "ھل من مزید" زد"۔[1]

نے کہاکہ میرا خلعت فرشِ خاکی ہے، پہاڑ نے
کہا میرا منصب پہرہ داری اور ایک پاؤں
پرکھڑا رہنا ہے، جواہرات نے عرض کیاکہ
کہیں ہمارے شیشہ میں بال نہ آجائے،
اس خاکِ بیباک کے ذرہ نے فقروفاقہ کی
آستین سے دستِ نیاز نکالا اور اس
بارِامانت کو سینہ سے لگالیا اور دوعالم
میں سے کسی چیز کا غم نہ کیا، اس نے کہا
میرے پاس کیا ہے جس کو چھین لیں گے، جب کسی چیز کو ذلیل کرنا
چاہتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں، مٹی کو کس میں ملائیں گے۔ مردانہ وار
بڑھا، اور اس بوجھ کو جس کو سات آسمان وزمین نہ سہار سکے ہنسی خوشی
اٹھالیا، اور" ھل من مزید" کا نعرہ لگایا۔

ذرۂ خاک کا اقبال

ایک دوسری جگہ اسی آب وگل کی قسمت وقیمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ شہباز محبت کو سینۂ آدمؑ کے سوا کوئی آشیانہ نہ ملا، آسمان کی بلندی اور عرش وکرسی کی وسعت سے گزرتا ہوا اس نے دلِ عاشق کو اپنا نشیمن بنایا، اسی بلاغت طرازِ قلم سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"آب وخاک را اندک مشمر ہرچہ دارد | آب وخاک کو کم نہ سمجھو، جو کچھ کمالات ہیں

[1] مکتوب چہل ونہم (۴۹)۔

آب وخاک دارد، ہر چہ آمدہ است با	آب وخاک ہی کے اندر ہیں، اور جو کچھ اس
آب وخاک آمدہ است ودیگر ہمہ نقش	دنیا میں آیا ہے آب وخاک ہی کے
بردیوار اند، آوردہ اند کہ چوں شہبازِ محبّت	ساتھ آیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ نظر آتا ہے
از آشیانۂ عزت بپرید بہ عرش رسید	نقش بدیوار سے زیادہ نہیں، کہنے والوں نے
عظمت دید در گذشت بہ کرسی رسید	کہا ہے کہ شہبازِ محبّت نے آشیانۂ عزت
وسعت دید در گذشت بہ آسمان رسید	سے پرواز کی، عرش کے پاس سے گزرا
رفعت دید در گذشت بہ خاک رسید	عظمت دیکھی گزر گیا، کرسی پر پہنچا وسعت
محنت دید فرود آمد[۱]"	دیکھی گزر گیا، آسمان پر پہنچا رفعت دیکھی

آگے بڑھ گیا، خاک پر پہنچا محنت دیکھی اُتر آیا ـــــــــ

اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بن کر یوں ادا کیا ہے۔ ؎

ارض وسَما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ تو اس میں سَما سکے

ایک دوسری جگہ انسان کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے اور اسکے حال پر اسکے پیدا کرنے والے کی نظرِ عنایت اور نگاہِ محبّت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"اے برادر او را بایں آب و خاک سرہا	اے بھائی خالق کا اس آب و خاک کے ساتھ
دکرہا است، ودر خبر است کہ چوں	خاص معاملہ اور خاص عنایات ہیں،
عزرائیل آہنگ جان یکے از برامت کنند	ایک روایت میں آیا ہے کہ جب ملک الموت

[۱] مکتوب پنجاہم (۵۰)۔

از حضرت عزت بدو خطاب رسد کہ سلام و تحیت ما اول بدو رسان پس دست بجان او برو، در کلام مجید خواندہ کہ فردا حق تعالیٰ بے واسطہ بر مومناں سلام گوید کہ "سلام قولا من رب رحیم" لا الٰہ الا اللہ، کلام او ازلی و سلام او ازلی اگر ارادت قدیم او را بایں مشتے خاکیان کرم نبودے در ازل بہ ایشاں سلام نہ کردے عزیزے بدیں اشارت کردہ است۔

رُباعی

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
وز حضرت او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر
قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد[1]

اس امت میں سے کسی کی رُوح قبض کرتا ہے تو رب العزت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے کہ پہلے میرا سلام پہنچانا پھر رُوح قبض کرنا تم نے قرآن مجید میں پڑھا ہوگا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بے واسطہ مومنوں کو سلام کہے گا، فرماتا ہے:۔ (سلام قولا من رب رحیم) جس طرح لا الٰہ الا اللہ، اس کا کلام ازلی ہے، اس کا سلام بھی ازلی ہے، اگر اس مشتِ خاک کے ساتھ یہ قدیم نظرِ عنایت نہ ہوتی تو ازل میں اس کو سلام بھی نہ کیا جاتا۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو بیان کیا ہے۔ ؎

آنرا کہ ز محبوب سلامے باشد ؛ وز حضرت او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر ؛ قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

سرِّ الٰہی کا حامل

ایک دوسرے مکتوب میں انسان کی اشرفیت، اسکے منصب خلافت اور اسکے علو ہمت کا راز یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ سرِّ الٰہی کا حامل اور نفخت من روحی کے شرف سے مشرف ہے، رسالت، صحفِ آسمانی اور دولتِ دیدار اس کی خصوصیات ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

[1] مکتوب پنجاہ دوئم (۵۱)۔

"حق تعالیٰ از میان ہژدہ ہزار عالم گروہے
نہ آفرید از آدمی بزرگ ہمت بر و ایں از انست
کہ ہیچ گروہے را نگفت و نفخت فیہ
من روحی مگر آدمیاں را داند ؟ ہیچ
گروہے پیغامبران و کتابہا نفرستاد مگر
در گروہِ آدمیان ، و بر ہیچ گروہ سلام نہ کرد
مگر بر آدمیاں و ہیچ کس را دولت دیدار
خود نداد مگر آدمیاں را و آدمیاں بردند
کہ از قوت محبت خویش و بزرگی ہمت
خویش طاقت فراق نداشتند ، بدنیا از
دل ایشاں حجاب برداشت و بعقبیٰ از
چشمہ سال حجاب برداشت تا در دنیا
جز وی را نخواستند و در عقبیٰ بجز وے
ننگریستند و ایں تختہ در مکتب ما زاغ
البصر و ما طغیٰ آموختند ، عزیزے
گفتہ است . ؎

مثنوی

الا اے مرغ حکمت وآں زمانے
چو خواہی یافت بہ زیں آشیانے

حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی
گروہ انسانوں کے گروہ سے زیادہ عالی ہمت
نہیں پیدا کیا اور انسانوں کے سوا کسی گروہ
کے متعلق یہ ارشاد نہیں ہوا کہ " نفخت
فیہ من روحی " اور کسی گروہ میں
پیغمبروں کو مبعوث نہیں فرمایا ، اور نہ
آسمانی کتابیں نازل کیں ، اور نہ کسی گروہ کو
سلام کہلایا ، نہ کسی گروہ کو اپنے دیدار کی نعمت
عطا فرمائی ، وہ آدمی ہی تھے جو اپنی محبت کی
قوت اور اپنی ہمت کی بلندی کی وجہ سے
طاقتِ فراق نہیں رکھتے تھے ، دنیا میں
ان کے دل سے حجاب اٹھا لیا اور عقبیٰ میں
اُن کی آنکھوں سے پردہ اُٹھایا ، اسی کا نتیجہ ہے
کہ دنیا میں وہ اس کے سوا کسی کے طالب نہیں
اور عقبیٰ میں اسکے جمالِ جہاں آرا کے سوا
ان کی آنکھوں نے کچھ نہ دیکھا اور یہ سبق
انھوں نے مکتب ما زاغ البصر و ما طغیٰ
میں پڑھا تھا کسی شاعر عارف نے خوب
کہا ہے . ؎

پروازِ معانی باز کن پر	الا اے فرغ حکمت واں زمانے
سرائے ہفت دررا باز کن در	چو خواہی یافت بہ زیں آشیانے
چوں تو برسد رہے حضرت نشینی	پروازِ معانی باز کن پر
تو باشی جملہ و خود را نہ بینی[1]	سرائے ہفت در را باز کن در

چوں تو برسد رہے حضرت نشینی

تو باشی جملہ و خود را نہ بینی

مسجود و محسود

ایک دوسری جگہ انسان کا وہ مرتبہ بیان کرتے ہوئے جس کی وجہ سے وہ مسجود ملائک اور محسود خلائق بن گیا۔ تحریر فرماتے ہیں :-

"اے برادر آں کہ ترا مسجود ملک کردہ است محسود فلاک گردانیدہ است کارے عظیم است ہر آئینہ در وجود خاکی تکدر معنی منور و مقدس است کہ اسرار ملکی و اوہام بشری از دریافت آں معنی عاجز و قاصر اند چوں شعاع ایں معنی طلوع نماید ملک حیران شود و فلاک سرگرداں بود۔ اور اتواضع و ایں را تخاشع از لوازمات بود و از واجبات باشد۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ اشارت کردہ است۔

میرے بھائی! جس چیز نے تم کو فرشتوں کا مسجود اور افلاک کا محسود بنا دیا ہے وہ بہت بڑی چیز ہے، انسان اپنے وجود خاکی میں کیسا ہی مکدر ہو معنوی اعتبار سے ایسا منور و مقدس ہے کہ ملکوتی اثرات اور بشری اوہام؟ اس کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں جب اس معنی کی شعاع جلوہ فگن ہوتی ہے ملائک حیران اور آسمان سرگرداں ہوتا ہے وہ تواضع سے سر بگریبان اور یہ ہیبت سے

[1] مکتوب پنجاہ و سوم (۵۳)

رباعی

؎

فرشتہ گر بہ بیند جوہرِ تو
وگر رہ سجدہ آرد بر درِ تو
نہ مسجود ملائک جوہرِ تست
نہ تاجے از خلافت بر سرِ تست
خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن
بہ گلشن شو گدا طبعے رہا کن
بمصر اندر برائے تست شاہی
تو چوں یوسف چرا در قعرِ چاہے[1]

لرزہ بر اندام خواجہ فریدالدین عطارؒ نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎

فرشتہ گر بہ بیند جوہرِ تو
وگر رہ سجدہ آرد بر درِ تو
نہ مسجود ملائک جوہرِ تست
نہ تاجے از خلافت بر سرِ تست
خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن
بہ گلشن شو گدا طبعے رہا کن
بمصر اندر برائے تست شاہی
تو چوں یوسف چرا در قعرِ چاہے

دلِ آگاہ

لیکن انسان اور نوعِ انسانی کی اشرفیت اور خصوصیت اس مضغۂ گوشت کی وجہ سے ہے جس کو دل کہتے ہیں اور دل کی قدر و قیمت اور زندگی و قوت اس جوہر کی وجہ سے ہے جس کو محبت کہتے ہیں۔ دل کے متعلق فرماتے ہیں: ـــ

عرش بیافرید بمقربان داد بہشت بیافرید برضواں داد و دوزخ بیافرید بہ مالک داد چوں دل مومن را بیافرید گفت ـــ القلوب بین اصبعین۔[2]

عرش پیدا کیا مقربین کے سپرد کیا، بہشت پیدا کی رضوان کو اس کا پاسبان بنایا، اور دوزخ پیدا کی مالک کو اس کا دربان بنایا لیکن جب مومن کا دل پیدا کیا فرمایا، دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

---

[1] مکتوب پنجاہ و ہشتم (۵۸) [2] مکتوب چہل و سوم (۴۳)۔

ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت و قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ۔

"ہیچ چیز عزیز تر از دل بودے درّ معرفت خویش آنجا نہادے این ست معنی آنکہ گفت لایسعنی سمائی ولا ارضی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن آسمان معرفت مارا نتابست وزمین درخورِ نیامد، دل بندہ مومن بود کہ بار رخت ما کشید آرے رستم را ہم رخش رستم کشد و آفتاب سلطنت ادبہ کوہ کہ در عالم اجسام وصور ثابت تر وعظیم تر از و ہیچ چیز نیست یکبار بیش نتافت کہ ذرّہ ذرّہ گشت "جعلہ دکّا"

وہر روز سہ صد وشصت بار بر دلِ مومن می تابد واو "ھل من مزید" نعرہ می زند وفریاد می کند، الغیاث الغیاث تشنہ ام[۱]"

اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز اور قیمتی ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اسی میں رکھتا، یہی معنی ہے اس ارشاد کے کہ :۔ نہ میرا آسمان مجھے سما سکتا ہے نہ میری زمین، اگر میرے لئے گنجائش ہے تو مومن بندہ کے دل میں آسمان میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات کی متحمل نہیں، بندۂ مومن کا دل ہی ہے جس نے اس بوجھ کو اٹھایا، رستم کا گھوڑا بھی رستم کو اٹھالیتا ہے، لیکن جلالِ الٰہی کا آفتاب جب پہاڑ پر جس سے زیادہ عالم اجسام میں زیادہ جمنے والی اور عظیم کوئی چیز نہیں، جب ایک بار چمکا، تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہوگیا وجعلہ دکّا، تین سو ساٹھ مرتبہ مومن کے دل پر چمکتا ہے اور وہ "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتا رہتا ہے، اور پکارتا رہتا ہے :۔ الغیاث الغیاث پیاسا ہوں۔

[۱] مکتوب سی و ہشتم (۳۸) ۔

شکستہ تر، عزیز تر

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز ٹوٹ کر بے قیمت ہو جاتی ہے، لیکن یہ جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے[1]۔ فرماتے ہیں :۔

"اے برادر شکستہ چیز ہیچ چیز قیمت نہ دارد مگر دل، ہر چند شکستہ تر با قیمت تر، موسیٰ علیہ السلام در مناجات خود گفت :۔ "الٰہی این اطلبک" فرمان شد انا عند المنکسرۃ قلوبہم[2]"	اے بھائی ٹوٹی ہوئی چیز کوئی قیمت نہیں رکھتی مگر دل جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک سرگوشی میں فرمایا کہ: "آپ کو کہاں تلاش کروں؟" جواب ملا :۔ میں اُن لوگوں کے

پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔

محبت کی فرمانروائی

دل کا سرمایہ محبت ہے، اور محبت تمام عالم اور سارے زمانوں کو محیط ہے اس عالم سے اس عالم تک اس کا سکہ رواں ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"اوّل ایں حدیث است و میانہ ایں حدیث است و آخر ایں حدیث است امروز ایں حدیث است و فردا ایں حدیث است، محققان گفتہ اند کہ ایں عالم و آں عالم ہر دو برائے طلب است	حدیث محبت تینوں زمانوں پر محیط ہے اوّل و آخر درمیان اسی کا دور دورہ ہے محققین نے کہا ہے کہ یہ عالم اور وہ عالم سب طلب کے لئے ہیں، اگر کوئی کہے کہ وہ عالم، عالم طلب نہیں ہے، یہ ناممکن ہے۔

[1] اسی کو اقبال نے اس طرح کہا ہے۔ ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ ؛ جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

[2] مکتوب ششم (۶)۔

اگر کس گوید کہ آں عالم عالم طلب نیست
ایں محال است یکے نماز و روزہ نیست
اما طلب ہست فردا ہمہ شرائع را قلم
در کشند اما ایں دو چیز ابد الآباد بماند
"الحب للہ والحمد للہ"[1]

ہاں نماز روزہ نہیں ہوگا لیکن طلب ہوگی۔
روز قیامت تمام احکام پر قلم نسخ
پھر جائے گا، لیکن یہ دو چیزیں
ابدالآباد تک رہیں گی: الحب للہ
والحمد للہ۔

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)

بلند و لطیف علوم و مضامین

حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات میں نادر تحقیقات اور بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق و معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جا بجا ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں جو ذاتی تجربات کا نچوڑ اور سالہا سال کی ریاضتوں اور وہبی علوم کا نتیجہ ہیں، اور جن کو پڑھ کر وجد و سرور کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طرب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

وحدۃ الشہود

اس کتاب میں بعض ایسی تحقیقات بھی ملتی ہیں جن کے متعلق علمی حلقوں میں شہرت ہے کہ وہ کئی صدی بعد کی تحقیقات ہیں، اور جس صدی (آٹھویں صدی) میں مخدوم صاحب تھے اس میں کوئی شخص ان سے آشنا نہیں تھا۔ ان ہی تحقیقات میں سے ایک "توحید شہودی یا وحدۃ الشہود" کا نظریہ ہے۔ اس نظریہ اور تحقیق کا چرچا حقیقتاً گیارھویں صدی ہجری سے ہوا۔ جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الوجود کے متوازی اس کی دعوت اور وضاحت پیش فرمائی، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس کی تقریر و تبلیغ اور اس کی

اشاعت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کے سر ہے، اور اس بارے میں انھوں نے جس تفصیل و تکمیل، اور جس قوت اور جرأت سے کام لیا وہ انھیں کا حصہ تھا اور وہ اس مسئلہ میں امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ دو ڈھائی سو برس پہلے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر ملتا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو اُن کو حاصل تھا یہ ثابت کرتے ہیں کہ عام طور پر جس کو وحدت وجود اور غیر حق کا عدم محض اور فنائے کامل سمجھا جاتا ہے وہ در اصل وجود حقیقی کے سامنے دوسری موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی ماند اور نور ذات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

"نابودن دیگر است و نادیدن دیگر"

کسی چیز کا نابود و معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز

اور فرماتے ہیں:۔ یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے، اور جہاں توفیقِ الٰہی اور خضرِ کامل کی رہبری کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

"چنداں از نور ظہور حق بر روندہ آشکارا شود کہ ہمہ ذرات وجود پیش دیدہ وے در اشراق آں نور متواری شوند بر مثال متواری شدن ذرہ با ہوا در اشراق نور آفتاب و ذرہ در نور آفتاب نتواں دید نہ ازاں کہ ذرہ نیست شد، و نہ آنکہ ذرہ آفتاب شد بلکہ ازاں کہ با ظہور نور آفتاب ذرہ را جز متواری شدن روئے نیست، ہمچنیں نہ آنکہ بندہ بندۂ خدا گردد،

ظہورِ حق کے نور سے سالک پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ تمام ذرات وجود اس روشنی کی آب و تاب میں اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ذرات ہوا چھپ جاتے ہیں اور ان ذرات کو دیکھا نہیں جا سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذرہ موجود نہیں، اور نہ یہ کہ ذرہ آفتاب ہو گیا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے ظاہر

تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا

ونہ آں کہ بندہ بحقیقت نیست شود، نابودن دیگراست ونادیدن دیگر۔ ؎

پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نواست

ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

تو چوں در آئینہ نگری آئینہ را نہ بینی زیرا کہ مستغرق جمال خودی ونتوانی گفت آئینہ نیست شد یا آئینہ جمال شد و یا جمال آئینہ شد، دیدن قدرت در مقدورات ہمچنیں بود بے تفاوت وایں را صوفیاں "الفناء فی التوحید" خوانند۔

بیت ۔ ؎

گوید آں کس دریں مقام فضول

کہ تجلی نہ داند او ز حلول

بسیار کس را ایں جا قدم بلغزیدہ است جز بمدد توفیق وعنایت ازلی و بمد رقہ پیر رسیدہ وصاحب دیدہ شدہ وفراز ونشیب ایں راہ گزشتہ وشربت از قہر جلال ولطف جمال چشیدہ ایں بادیہ را

ہونے پر سوائے چھپ جانے کے ذرہ کا منہ نہیں کہ وہ اپنی صورت دکھائے۔ اسی طرح سے یہ بات نہیں کہ بندہ خدا ہو گیا، تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا، اور نہ یہ کہ بندہ حقیقت میں معدوم ہو جاتا ہے، نابود اور معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز۔ شاعر عارف نے صحیح کہا ہے ۔ ؎

پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نواست

ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے اس لئے کہ اپنے جمال میں مستغرق ہوتے ہو اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ معدوم ہو گیا اور یہ کہ آئینہ تمہارا جمال بن گیا ہے یا تمہارا جمال آئینہ بن گیا ہے، قدرت کو مقدورات کے اندر بالکل اسی طرح دیکھا جاتا ہے اس کو صوفیہ فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ ؎

گوید آں کس دریں مقام فضول

کہ تجلی نہ داند او ز حلول

بہت لوگوں کا قدم اس جگہ پھسل گیا ہے، توفیق الٰہی وعنایت ازلی اور مرشد کی رہنمائی

کسے قطع نتواند کرد[1]"

کے بغیر جو مقام تحقیق پر فائز، صاحب نظر، اس راستہ کے نشیب و فراز سے گزرا ہوا، قہر جلال اور لطف جمال کا مزہ چکھے ہوئے ہو اس بادیہ کو کوئی قطع نہیں کرسکتا۔

تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں

اس موقع پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے سامنے دوسری روشنی کے ماند ہوجانے کی جو مثال دی گئی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ روشنی معدوم نہیں ہوتی صرف آفتاب کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور اس کا وجود ہیچ نظر آنے لگتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، اسکے وجود کو وجود کہنا ہی صحیح نہیں ہے وہ تو اسکے مقابلہ میں معدوم ہی ہوجاتا ہے، ایک ہی چیز بیک وقت موجود اور معدوم نہیں ہوسکتی۔ شیخ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں، آفتاب پانی کے چشمہ پر چمکتا ہے پانی کو گرم کردیتا ہے، اس سے پانی کی صفت بدلتی ہے پانی کی ذات نہیں بدلتی، اور پانی کسی معنی میں بھی آفتاب نہیں بن جاتا۔ فرماتے ہیں:۔

"ایں سخن آں بود کہ چراغ را با عین آفتاب ہیچ ولایتے نبود ولایت بکلی آفتاب را بود چوں از وجود او اورا ثمرہ نبود وجود او چوں عدم او بود اگر کسے گوید کہ عدم ضد وجود بود و وجود ضد عدم و یک چیز در یک حال ہم موجود بود و ہم عدم محال بود، جواب آنست کہ ایں سخن

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جرم آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی ہستی نہیں رہ جاتی، اس وقت آفتاب ہی کا دور دورہ ہوتا ہے، جب چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں تو اس کا وجود و عدم برابر ہوجاتا ہے، اگر کوئی کہے کہ عدم وجود کا ضد ہوتا ہے اور وجود عدم کا ضد، اور ایک

---

[1] مکتوب اوّل (۱)۔

درعین نیست درصفات است کہ عین نگردد، صفات بگردد، خلق نگردد، آفتاب برآب تابد آب را گرم کند صفات آب بگردد و بدل شود و عین آب نگردد زیرا کہ عین آب برجاست آفتاب در صفات آب عمل کرد نہ در ذات آب و دریں اجتماع ضدین نیست[۱]"

چیز کا ایک ہی وقت میں موجود و معدوم ہونا محال ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ گفتگو ذات کے متعلق نہیں صفات کے متعلق ہے، ذات میں تغیر نہیں ہوتا، صفات میں تغیر ہوتا ہے فطرت میں تغیر نہیں ہوتا، آفتاب پانی پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے، پانی کی صفات بدل جاتی ہیں لیکن پانی کی ذات اور فطرت نہیں بدلتی وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، آفتاب نے صفات میں عمل کیا نہ کہ ذات میں ایسی حالت میں اجتماع ضدین کی کوئی بات نہیں۔

تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی

کاملین اور منتہیوں کی ترقی قطع مقامات اور ان کی باطنی کیفیات ایسی ہوتی ہیں جن کا مبتدیوں کو اور بعض اوقات اُن کے ہم نشینوں کو بھی ادراک نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے کمالات کے وارثوں اور اولیاء کاملین کے کمالات اور کیفیات ایسی لطیف، نازک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات اُن کے معاصر اور اُن کی صحبت میں رہنے والے اُن سے ناواقف اور بیگانہ رہتے ہیں، اور ان اہلِ وجد و شوق اور اہلِ جذب و سلوک کو ترجیح دیتے ہیں جو اُن کی گردِ پا کو بھی نہیں پہونچتے، یہ حضرات کاملین جن کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کا ظرف، علوِ حوصلہ اور قوتِ تحمل عطا فرماتا ہے، نہ گریبان چاک کرتے ہیں نہ دامن تار تار، نہ نعرے لگاتے ہیں نہ وجد میں آکر رقص کرنے لگتے ہیں، نہ اُن سے کثرت سے کرامات و خوارق کا صدور ہوتا ہے، نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، نہ کسی کیفیت کا

---

[۱] مکتوب ہشتاد و ششم (۸۶)۔

اظہار ہونے دیتے ہیں، ان کا وہ حال ہوتا ہے جو عارفِ شیراز نے بیان کیا ہے۔ ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز ؎ کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند ؎ آں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ رفتار جتنی تیز ہوتی ہے اُسی قدر اس کی حرکت نظر میں نہیں آتی، فرماتے ہیں:۔ تیز آندھی کو سب محسوس کرتے ہیں، لیکن نسیمِ سحری جو دل کی کلیوں کے ساتھ مسیحائی کرتی ہے اور چمن کو حیاتِ نو بخشتی ہے اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

رفتن چوں تیز گردد دیدار بالعکس باز گردد
نہ بینی کہ آں سنگ آسیا خراس کہ
می گردد از غایت رفتن ہر کہ نظر کند گوید
کہ ایستادہ است، خواجہ جنید را
رحمۃ اللہ علیہ گفتند چرا اے پیر بسماع
بر نخیزی، او ایں آیت بر خواند وتری
الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر
مر السحاب شما رفتن مانمی بینید
چوں رفتن تیز شود در دیدار نیاید،
نسیم سحر چناں گزرد کہ کس را
خبر نباشد[۱]

رفتار جب تیز ہو جاتی ہے اس کا دیکھنا
بند ہو جاتا ہے، دیکھتے نہیں کہ بڑی چکی کے
پتھر کی گردش جب تیز ہو جاتی ہے تو جو شخص
دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ چکی بند ہے اور اس کا
پتھر گردش نہیں کر رہا ہے۔ حضرت جنید بغدادیؒ
سے کسی نے کہا کہ آپ سماع کے موقع پر اپنی جگہ
سے جنبش نہیں فرماتے، آپ نے یہ آیت پڑھی
۔وتری الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر
مر السحاب تم پہاڑوں کو دیکھو گے تو ان کو
کھڑا ہوا سمجھو گے حالانکہ وہ ابر کی طرح
رواں دواں ہوں گے، تم ہماری رفتار

---

[۱] مکتوب چہارم (۴)۔

نہیں دیکھتے، جب رفتار تیز ہو جاتی ہے دیکھنے میں نہیں آتی نسیم سحر اس طرح
چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی ۔

خواہشات نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے

تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ بہت سے طالبین صادقین خواہشاتِ نفسانی کا سرے سے فنا ہو جانا اور اس کا استیصال کلی ضروری سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سالک کے لئے ضروری ہے کہ اس میں سرے سے کسی خواہش کا مادہ ہی باقی نہ رہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ مقصود ازالہ شہوات نہیں شکستگی شہوات ہے۔ امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے کہ اصلاح و تربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا جڑ سے نکل جانا اور اس کی صلاحیت کا مفقود ہو جانا نہیں ، بلکہ اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے، اسلئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر "والفاقدین الغیظ" نہیں کہا 'والکاظمین الغیظ' فرمایا۔ اگر سرے سے غصہ ہی نہ آتا ہو تو غصہ کو پی جانے اور اس کو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے ؟۔ شیخ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں : ۔

جہل و حماقت آں کسے است کہ چناں می پندارد کہ شریعت فرمودہ است کہ از شہوت و صفات بشریت پاک می باید شد اصلا و ایں قدر ندانستہ باشد کہ چگونہ شریعت چناں فرماید کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چنیں می گوید کہ بشرم و در خشم شوم و اثر خشم بر روئے بسیار دیدند و خدا وند می فرماید	یہ اس شخص کی جہالت و حماقت ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً پاک ہونا چاہئے، اس نے یہ غور نہیں کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں کسی وقت مجھے غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا

والکاظمین الغیظ ثنا می گوید آنرا
کہ خشم فرو خورد نہ آنرا کہ خشم ندارد وچگونہ
فرماید کہ شہوت نمی باید کہ حضرت رسالت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نُہ حرم داشت
واگر کسے را شہوت ساقط شود علاج باید
کرد، تا باز آید کہ رحم است بر اہل وفرزند
وچیرگی در غزا کافران از خشم خیزد وکثرت
توالد وتناسل وابقاد نام نیک از
شہوت خیزد ومطلوب پیغمبر آں بودہ است
توالد وتناسل لیکن فرمودہ است کہ ایں
ہر دو را زیر دست باید داشت چناں
بودہ باشد کہ در فرمان شرع باشد
مانند اسپ در فرمان رائض وسگ در فرمان
صیاد لیکن سگ باید کہ معلّم بود دگر نہ
در صیاد آویزد وبے اسپ تیز صید نتواں
کرد۔ اما باید کہ ریاضت یافتہ باشد واگر نہ
صیاد را بیندازد وپس شہوت وخشم ہمچو
سگ واسپ است وسعادت آخرت صید
نتواں کرد بے ایں ہر دو اما بشرط آنکہ زیر دست

ارشاد ہے:- والکاظمین الغیظ
اللہ تعالیٰ ان کی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو
دباتے ہیں، اس کی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ
ہی نہیں، اور کس طرح شریعت خواہش نفس
کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کر سکتی ہے جب کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں،
اگر کسی کی خواہش نفس بالکل زائل ہو گئی ہو تو
اس کو علاج کرنا چاہئے کہ پھر پیدا ہو جائے
اسلئے کہ گھر والوں اور اولاد پہ شفقت "
جہاد میں کافروں پر غصہ، اور اولاد کا سلسلہ
اور نیک نام کا بقا، یہ سب چیزیں نفس کے
احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں
پیغمبروں نے اس کی تمنا کی ہے کہ ان کا سلسلہ
نسبی چلے، لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ
خواہشات کو مغلوب رکھا جائے اور احکام شریعت
کے ماتحت جس طرح گھوڑا سائیس اور کتا
شکاری کے قبضہ میں ہوتا ہے، کتا بھی ایسا
چاہئے جس کی تربیت ہو چکی ہو ورنہ شکاری
ہی پر حملہ آور ہو جائے گا، شکار کے لئے

باشند کہ اگر غالب باشند سبب ہلاک بود،
پس مقصود از ریاضت آنست کہ تا این ہر دو
صفت شکستہ شوند و زیر دست باشند
و این ممکن است[1]؛

گھوڑے کی بھی ضرورت ہے لیکن ایسا گھوڑا
درکار ہے جو رام کر لیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار کو
گرائے گا، اسی طرح شہوت اور غصہ کتے
اور گھوڑے کی طرح ہیں، آخرت کی سعادت کو

ان دونوں کے بغیر شکار نہیں کیا جا سکتا، لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو
کے ہوں، اگر غالب ہوں گے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے، پس ریاضت
اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں
اور یہ ممکن ہے۔

کرامت بھی ایک بت ہے

جیسا کہ پڑھ چکا ہے حضرت مخدوم صاحبؒ کے زمانہ میں ہر طرف کرامات کا چرچا تھا اور عوام اس کو بزرگی کی شرط اور مقبولیت کا معیار سمجھتے تھے۔ حضرت مخدوم صاحبؒ اس مذاق عام اور شہرت عام کے برخلاف یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرامات بھی اہل اللہ کے لئے ایک حجاب اور غیر اللہ کے ساتھ مشغولی کا حکم رکھتی ہیں اور اس طرح سے وہ بھی ایک طرح کا بت ہے جس کی نفی اور اس سے استغنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے:۔

یکے از بتان کرامات است تا کافران بہ بت
تعلق کنند اعدا باشند چوں از بت تبرا
کنند اولیا گردند بت عارفاں را کرامات است
اگر با کرامت بیارامند محجوب و معزول گردند

کرامات بھی ایک بت ہے جس طرح کافر
بت سے تعلق رکھتے ہیں دشمن ہوتے ہیں،
جب بت سے بے تعلقی اور برأت کا اظہار
کرتے ہیں دوست بن جاتے ہیں، عارفوں کا

[1] مکتوب پنجم دہم۔

واگر از کرامات تبرا کنند مقرب گردند و موصول گردند عزیزے گفتہ است۔ ؎

بُت کرامت ہے اگر کرامت پر قانع اور مطمئن ہو جائیں مجوب و معزول ہوں اور اگر کرامات سے بے تعلقی کا اظہار کریں مقرب اور واصل کسی عارف نے کہا ہے۔ ؎

قطعہ

زاہداں را جنت و فردوس باید نز نگاہ
عاشقاں را لذت اندر قصر نزداں است وبس
لطف او را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند
قہر او را پیش رفتن کار مرداں است و کس

زاہداں اجنت وفردوس باید نز نگاہ
عاشقاں الذت اندر قصر نزداں است وبس
لطف اوراعام وخاص نیک و بد یابندہ اند
قہر اوراپیش رفتن کار مرداں ست وہیں

ازیں جا است کہ چوں خدائے عزوجل مر ایشاں را چیزے از کرامات پدید آورد اندر دل ایشاں خضوع و خشاع زیادہ گردد و دل و تواضع بیش آں باشد کہ بود و ترس و خوف زیادت ازاں گردد۔[1]

اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں سے کرامات ظاہر فرمایا ہے تو ان کے دل میں خضوع وخشوع زیادہ ہوجاتا ہے فروتنی اور تواضع پہلے سے بڑھ جاتی ہے اور ان کے خوف اور ڈر میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

کشوف وکرامات اور استدراج :-

دیگر آنچہ بر صدیقان از کشف و صدق فراست چیزے پدید می آید و از کارہائے

صدیقین پر کشف اور فراست صادقہ سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور

[1] مکتوب ہشتم (۸)۔

مستقبل کہ پیش خواہد آمد ایشاں را روشن
می گردد باشد کہ بر بعضے ایں معنی نکشاید
واز ایں جا قدحے لازم نیاید در حال
ایشاں کہ قدح در حال ایشاں گشتن بود
از استقامت وہرچہ بر صدیقاں کشایند
آں سبب مزید یقین ایشاں باشد وداعی
بود ہر صدق مجاہدہ وخوے گرفتن باخلاق
حمیدہ باشد، واگر بر کسے کشاید کہ اندر
سیاست شرع نباشد آں سبب مزید
بعد غرور وحماقت بود وبراں معانی مردماں را
ازبہ دست وخیر دارد وہم چنیں می باشد
ماشتہ اسلام از گردنش بیروں
افتد واز حدود احکام وحلال وحرام
منکر گردد وپندارد مقصود از عبادت
بجز ذکر خدائی نیست ترک متابعت سنت
پیش گیرد ونادر الحاد وزندقہ افتد،
نعوذ باللہ منہا۔[1]

ہونے والے واقعات میں سے جو واقعات ان پر
منکشف ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بعض
لوگوں پر اس طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں
لیکن اس سے ان پر کوئی اعتراض اور
ان کے کمالات میں کوئی نقص ثابت نہیں
ہوتا، اعتراض اور نقص کی چیز جادہ استقامت
سے ہٹ جانا ہے صدیقین پر اس طرح کی
جو چیزیں منکشف ہوتی ہیں وہ ان کے یقین
کے اضافہ کا سبب ہوتی ہیں اور اس سے
ان کے مجاہدہ میں اور پختگی اور اخلاق حمیدہ
میں اور ترقی ہوتی ہے، اگر یہ حالات ایسے
کسی شخص کو پیش آئیں جو احکام شریعت کا
پابند نہیں وہ اسکے بُعد کا سبب اور
اسکے فریب وحماقت کا ذریعہ بن جاتے ہیں
وہ اسکے دھوکہ اور غرور میں لوگوں کو مغلوب
اور حقیر سمجھنے لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے
کہ اسلام کا رشتہ اس کی گردن سے باہر

---

[1] مکتوب دو صد وشستم (۲۰۶)۔

ہو جاتا ہے، اور وہ احکام الٰہی کے حدود اور حلال و حرام کا منکر بن جاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے کہ عبادت کا مقصد ذکر الٰہی کے سوا کچھ نہیں، وہ سنت کی پیروی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندقہ کا شکار ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا۔

فضیلت خدمت :-

یک کار بزرگ مر مرد را خدمت است و در خدمت فائدہا و خاصیتہا است کہ در ہیچ عبادت و طاعت دیگر نیست یکے آنست کہ نفس مردہ شود و کبر و نخوت خواجگی را ببرد و تواضع و عجز در وے پدید آید و اورا مودب گرداند و اخلاقہا را نیکو گرداند و علوم سنن طریقت در آموزد و تیرگی و گرانی نفس از وے ببرد و او لطیف و سبک روح گردد و ظاہر و باطنش روشن شود و ایں فوائد مخصوص است بخدمت بزرگے و ا پرسید ند کہ راہ بحق چند است گفت بعدد ہر ذرہ از موجودات رہے است بحق اما ہیچ راہ نیست کوتر و نزدیک تر از راحت رسانیدن

سلوک کے لئے ایک اونچا کام خدمت ہے خدمات میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں جو کسی دوسری عبادت و طاعت میں نہیں ایک یہ کہ نفس مردہ ہوتا ہے اور بڑائی و سرداری کبر و نخوت نکال دیتی ہے، اور تواضع و عجز پیدا ہوتا ہے، خدمت اس کو مہذب اور مودب بنا دیتی ہے، اخلاق کو آراستہ کرتی ہے اور سنت و طریقت کے علوم سکھاتی ہے نفس کی ظلمت اور گرانی کو دور کرتی ہے انسان کو لطیف اور سبک روح بناتی ہے اور اس کا ظاہر و باطن روشن ہو جاتا ہے، یہ سب فوائد خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا خدا تک پہونچنے کے کتنے راستے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ موجودات

بدلہانیست وما بدیں راہ یافتم و بدیں مرید آں را وصیت کردیم و گفتہ بزرگانست کہ اوراد وطاعات ایں طائفہ زیادت از آنست کہ در بیاں آید چوں دزاں ہمہ فارغ شوند ہیچ ورد و طاعت فاضل تر و با فائدہ تر از صحبت کردن یک دیگر نیست[1]

اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک پہونچنے کی راہیں ہیں، لیکن کوئی راستہ دلوں کو راحت پہونچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک تر نہیں، اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے، اور اپنے تعلق والوں کو بھی اسی کی وصیت کی ہے بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گروہ کے اوراد وطاعات بیان سے باہر ہیں، وہ جب ان سب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی ورد و طاعت ایک دوسرے کو خدمت کرنے سے زیادہ افضل اور مفید نہیں۔

نفس کی اصلاح کا معیار

نفس کی اصلاح کا معیار ان حضرات کی نظر میں بہت بلند ہے، حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس دعویٰ خدائی سے دست بردار اور خواہشات و شہوات کی گرفتاری سے آزاد ہوگیا ہے اور تربیت و اصلاح کے اس مقام پر پہونچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے حضرت شیخ شرف الدین کے نزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے اور احکام شریعت میں رخصت و تاویل سے کام نہ لے، اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور طبیعت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس جانور کے مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا نمائندہ اور مظہر ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] مکتوب ہفتاد ویکم (۷۱)۔

"اے برادر نفس آدمی مکارہ و فریبندہ است
ہمہ دعوی و دروغ کند و لاف زند کہ ہوا زیر
دست منست از شے برہان باید طلبید،
و ہیچ برہانے نیست مگر آنکہ بحکم خود
قدمے نہ زند بحکم شرع رود کہ اگر ہمیشہ
بطوع تن در تواند داد و راست می گوید
اگر در احکام شرع رخصت و تاویل می طلبد
موافق ہوا و شہوت آں مدبر ہنوز اسیر
ہوا ست اگر اسیر خشم است سگے است
در صورت آدمی و اگر اسیر شکم است
بہیمے است و اگر اسیر شہوت ہائے زشت
است خوکے است و اگر اسیر جامہ
و تجمل است زنے است در صورت
مرد، مگر کسے کہ خود را احکام اوامر
شرع بیسار آید و بیسا زماید
و عنان خود بدست شریعت دہد
تا چنانکہ ادمی گردد می تواند گشتن آنگاہ
صفات او اسیر او شدہ باشد
پس کسانیکہ ارباب بصیرت بودہ اند

میرے بھائی آدمی کا نفس مکار دھوکا دینے
والا ہے، وہ ہمیشہ جھوٹے دعوے اور
لاف زنی کرتا ہے کہ خواہش نفس میری
محکوم ہو گئی ہے، اس سے اس کا ثبوت
مانگنا چاہئے، اور اس کا ثبوت صرف یہ ہے
کہ وہ اپنے حکم سے ایک قدم نہ اٹھائے،
شریعت کے حکم سے چلے، اگر ہمیشہ وہ
شریعت کی اطاعت میں سرگرمی دکھاتا ہے
تو صحیح کہتا ہے اگر احکام شریعت میں اپنی
ہوا و خواہش کے موافق رخصت و تاویل
چاہتا ہے تو وہ بے اقبال ابھی تک
اسیر کمند ہوا ہے، اگر غصہ کا غلام ہے
تو وہ ایک کتا ہے آدمی کی شکل میں،
اگر پیٹ کا غلام ہے تو ایک جانور ہے،
اور اگر وہ فاسد خواہشات نفس کا اسیر ہے
تو وہ ایک سور خنزیر ہے، اور اگر وہ لباس
و زینت کا غلام ہے تو وہ عورت ہے مرد کی
صورت میں، لیکن جو شخص اپنے کو احکام شریعت
کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا امتحان

وکارہا را چنانکہ بود بدیدند تا نفس باز پسیں لگام تقوی از شر نفس خود فرود نیاوردند[1]

لگام رہتا ہے اور اس نے اپنی باگ شریعت کے ہاتھ دے دی ہے، جس طرف وہ پھیرتی ہے اسی طرف وہ پھر جاتا ہے، اُس وقت اس کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی صفات اُس کی محکوم اور زیر فرمان ہو گئی ہیں، پس جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت دی تھی، اور جو حقائق پر نظر رکھتے تھے وہ دم واپسیں تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوف الٰہی کی لگام دیے رہے۔

---

[1] مکتوب کو دو ششم (۹۶)۔

باب دہم

حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا

معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشق الٰہی و خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا اظہار فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح ان کا یہ بھی عظیم و روشن کارنامہ ہے کہ انھوں نے بر وقت دین کی حفاظت کا فرض انجام دیا، مسلمانوں کے دین و ایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت و زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بداعتقاد صوفیوں جاہل مشائخ اور فلسفہ و باطنیت سے متأثر اشراقیین کی دعوت و تبلیغ سے ہندوستان جیسے دور افتادہ ملک میں (جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہونچا تھا، اور جہاں کتاب و سنت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے) سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد و خیالات پر ضرب کاری لگائی، جس کے پردہ میں یہاں الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا

اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے، اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہل سنت کے مسلک کی نہایت موثر و طاقتور وکالت اور تبلیغ کی، وہ چونکہ حقائق و معارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے، اشراق اور کشف و شہود کے اعلیٰ مقام پر پہونچ چکے تھے، ریاضات و مجاہدات کی طویل ترین و دشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے، اور اس میدان میں اُن کا مرتبہ "امامت و اجتہاد" تک پہونچنا سب کو تسلیم تھا اسلئے اس بارے میں ان کی تصریحات و تحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں، اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحب "اشراق و کشف" کے لئے آسان نہیں، کہ اُن کا معاملہ یہ تھا کہ ۔ ؎

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرہ سے آگاہ

ادھر سے مدتوں آیا گیا ہوں

نبوت ولایت سے افضل ہے

ایک عرصۂ دراز سے تصوف کے بعض حلقوں میں اس خیال کی اشاعت ہو رہی تھی کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے، اور یہ کہ ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے، اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق خلائق سے ہے اسلئے ولی رو بحق ہوتا ہے اور نبی رو بخلق، اور رو بحق ہونے کی حالت رو بخلق ہونے کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہے بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط کی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت عام طور پر نبوت سے افضل نہیں بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے، اور نبی جب مشغول بالخالق ہوتا ہے تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے۔

لیکن اس کی جو بھی تاویل کی جائے اس عقیدہ و خیال سے نبوت کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا اسکی اہمیت و عظمت کم ہوتی تھی اور الحاد و زندقہ کا ایک دروازہ کھلتا تھا حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس عقیدہ کی پرزور تردید فرمائی اور بڑی قوت و وضاحت سے ثابت فرمایا کہ نبوت کا مقام ولایت سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے نبی کے تمام احوال و اوقات ولی کے احوال و اوقات سے افضل ہیں، بلکہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی تمام عمر سے

افضل ہے، اسی سلسلہ میں انھوں نے بڑی محققانہ اور عارفانہ باتیں لکھی ہیں، اور چونکہ وہ خود ولایت و معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، اسلئے ان کا فرمانا محض ذہانت اور علم کے زور کا نتیجہ نہیں، تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے، کہ۔ ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں: —

"برادرم شمس الدین کو معلوم ہو کہ باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاء پیغمبروں کے تابع ہیں اور انبیاء اولیاء سے افضل ہیں، جو ولایت کی نہایت ہے، وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا بلکہ اہل سنت والجماعت اور اس طریق کے محققین میں اس مسئلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں ملحدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں، اور وہ دلیل یہ لاتے ہیں کہ اولیاء تمام اوقات میں مشغول بحق رہتے ہیں، اور انبیاء اکثر اوقات دعوتِ خلق میں رہتے ہیں، پس جو شخص مشغول بحق ہو وہ افضل ہوا اس سے جو کبھی کبھی وقت مشغول بحق ہوتا ہے، ایک گروہ (جس کو صوفیہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور وہ اُن سے نیک گمان رکھتا ہے اور انکی پیروی کا دم بھرتا ہے) اس کا قائل ہے کہ مقام ولایت مقام نبوت سے برتر ہے، نبی کو علم وحی ہوتا ہے اور ولی کو علم اسرار، ولی کو ایسے اسرار معلوم ہوتے ہیں جن سے انبیاء بے خبر ہوتے ہیں، انھوں نے اولیاء کے لئے علم لدنی ثابت کیا اور اس کا استنباط حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے

قصہ سے کیا، انھوں نے کہا کہ خضرؑ ولی تھے اور حضرت موسیٰؑ نبی، حضرت موسیٰؑ پہ
وحی ظاہر آتی تھی جب تک وحی نہ آتی، اُن کو کسی واقعہ کا راز اور کسی بات کا بھید
معلوم نہ ہوتا، حضرت خضرؑ کو علم لدنی حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ بغیر وحی کے
غیب تک جان لیتے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کو اُن کا شاگرد بننے کی ضرورت
پیش آئی، اور سب کو معلوم ہے کہ اُستاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے ——————
لیکن یہ یاد رہے کہ اس طریق کے پیشوا جن کے دین پر اعتماد کیا جا سکتا ہے وہ ایسے
اقوال وعقائد سے بیزار ہیں، وہ اس کو ہرگز ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ
کسی کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہو سکتا ہے یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہے، باقی
موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ کا جواب یہ ہے کہ خضرؑ کو فضیلت جزئی حاصل تھی، اور
وہ خاص واقعات کا علم لدنی ہے، اور حضرت موسیٰؑ کو مطلق فضیلت
حاصل تھی، فضیلت جزئی فضیلتِ مطلق کو منسوخ نہیں کرتی، جیسے کہ
مریمؑ، کہ اُن کو ایک طرح کی فضیلت حاصل تھی کہ مرد کے تعلق کے بغیر حضرت
عیسیٰؑ پیدا ہوئے، لیکن یہ فضیلت حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کی
فضیلت پر غالب نہیں، اسلئے کہ ان کو فضیلتِ مطلقہ حاصل تھی تمام دنیا
کی عورتوں پر، یاد رکھو اگر تمام اولیاء کے تمام احوال واعمال، انفاس
وزندگی کو نبی کے ایک قدم کے مقابلہ میں تصور کیا جائے تو وہ ہیچ اور
معدوم نظر آئیں گے۔ اولیاء جس چیز کے طالب ہیں اور جس چیز کے لئے
سفر طے کرتے ہیں اور محنتیں کرتے ہیں انبیاء اُس مقام پر پہونچ چکے ہیں اور
اس کو پا چکے ہیں، انبیاء دعوت کا کام بحکمِ الٰہی انجام دیتے ہیں اور ہزاروں

لاکھوں بندگانِ خدا کو خدا رسیدہ اور واصل بناتے ہیں۔

انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے:۔

پس انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے، اس لئے کہ جب اولیاء نہایت کو پہونچتے ہیں تو مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجاب بشریت سے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشر ہی رہتے ہیں، پیغمبر پہلے قدم میں مقام مشاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتداء، انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جا سکتا۔ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟۔ فرمایا: "توبہ توبہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں"۔ پس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک و تصور سے مخفی ہے۔ اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اولیاء انبیاء کے مقابلہ میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء اولیاء کے مقابلہ میں اڑنے والے ہیں، دوڑنے والا اُڑنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب:۔

انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی اور پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے سر اور راز و نیاز کے برابر ہے، پس عظیم الشان فرق ہے، اس شخص کے درمیان جس کے جسم کو وہاں لے جائیں جہاں دوسرے کا

رازِ دنیاز پہونچ سکتا ہے۔"[۱]

شریعت کا لزوم و دوام

اسی طرح تصوّف کے بعض حلقوں میں ایک مغالطہ یہ پھیلا ہوا تھا کہ شریعت کی پابندی اور پیروی کی ضرورت ایک خاص وقت اور ایک خاص حد تک رہتی ہے۔ جب سالک مقامِ تحقیق اور مرتبۂ یقین پر پہونچ جاتا ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شریعت کی پابندیوں اور فرائض شرعی سے آزاد اور مستغنی ہو جاتا ہے، اس عقیدہ نے اچھی خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی، اور بہت سے ملحد اور بے عمل صوفیوں اور جاہل مشائخ نے اس کے ذریعہ بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا، اور بعض حلقوں میں اس سے نہ صرف انتشار و بے عملی بلکہ الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مشہور آیت "واعبد ربك حتىٰ يأتيك اليقين[۲]" سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبادت و اتباعِ شریعت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہنا چاہئے جب تک یقین حاصل ہو جائے، یقین حاصل ہو گیا تو پھر تمام تکالیفِ شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ حضرت شیخ شرف الدینؒ نے اس گمراہ کن عقیدہ اور مغالطہ کی زبردست تردید کی۔ اُن کے متعدد مکتوبات اس موضوع پر ہیں جن میں انھوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ یہ ثابت کیا کہ شریعت کی پابندی دمِ واپسیں تک رہتی ہے اور کسی حال اور کسی وقت میں بھی نہ تکالیفِ شرعیہ اور فرائض وغیرہ ساقط ہوتے ہیں اور نہ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ ہے۔

---

[۱] مکتوب بستم۔

[۲] اس آیت کی صحیح تفسیر کے لئے محققین کی تصنیفات (مستند تفاسیر ملاحظہ ہوں) مشہور تفسیر یہ ہے، کہ یقین سے مراد موت ہے۔ ۱۲

شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"برادرِ اعز شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہل ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترک معصیت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس شکستہ اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو جائیں، اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد ان پر غالب آ جائے اور دل ظلماتِ بشریت سے ذکر آلٰہی کے اثر سے صاف ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں معرفتِ خداوندی کی حقیقت اس کو حاصل ہو جائے، شریعت کی پابندی کعبۂ وصال تک پہونچنے کی ایک راہ ہے، جو شخص کعبۂ وصال کو پہونچ گیا اُس کو راستہ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے؟ پس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھیں گے تو وہ اُن کے لئے حجاب ہو جائے گی اسلئے کہ اُن کو وصول حاصل ہو چکا ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائمی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور نماز رکوع و سجود کا مقصود یہ ہے کہ غافل دل کو حضوری ہو جائے، ہم و خود ایک لمحہ بھر غافل نہیں ہوتے، عالم ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں، انبیاء کے جوار مقدس میں رکھے جاتے ہیں، ہم کو ان عبادات اور فرائض شرعی کی کیا ضرورت ہے ——

درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدم ؑ کو سجدہ سے کیا حاصل، آدم ؑ اس سے کم ہیں، مجھے اس کا سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا قصہ افسانہ کے طور پر نہیں بیان کیا ہے، وہ انھیں لوگوں کی

عبرت کے لئے بیان کیا جو اس مغالطہ شیطانی میں گرفتار ہیں تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی مقرب کو شریعت کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں، بزرگانِ دین نے جو یہ فرمایا ہے کہ شریعت کی پیروی حق تعالیٰ تک پہونچنے کا راستہ ہے، انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

بقاءِ شریعت کا راز:۔

شیطان نے یہاں ایک نکتہ اس گروہ کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے اس نے یہ باور کرایا کہ شریعت کا مقصود صرف اتنا ہے (کہ حضوری حاصل ہو جائے) لیکن یہ غلط ہے شریعت کا اس کے علاوہ بھی مقصود ہے، مثلاً پانچ وقت کی نمازیں ایسی ہیں جیسے کسی دریچۂ کمال میں پانچ کیلیں لگی ہوں، اگر کیلیں الگ ہو جائیں تو وہ دریچۂ کمال سے جدا ہو کر گر جائے، جیسے خود ابلیس گر گیا، اگر کوئی کہے کہ یہ پانچ نمازیں کس طرح پانچ کیلوں کی طرح ہیں جن سے کمال کا یہ دریچہ تھما ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہچاننا انسان کی طاقت میں نہیں، یہ درحقیقت ایسا ہی ہے جیسے اشیاء اور ادویہ کے خواص، عقل اس کی وجہ دریافت نہیں کر سکتی، جیسے سنگ مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے۔

ایک بلیغ مثال فرائض شرعی اور شریعت کے احکام کی پابندی میں کیا کیا حکمتیں ہیں، اور وہ انسان کے دین و ایمان اور اپنے خالق کے ساتھ تعلق کی اور منصب بندگی کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں اور اُن کے ردّ سے کس طرح انسان کا دین و ایمان اور اس کا تعلق برباد

ہوجاتا ہے۔ اور وہ کس طرح نفس و شیطان کا شکار، درجۂ اعتبار سے ساقط اور راندۂ درگاہ ہوجاتا ہے،
اس کی ایک بلیغ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"اس کو ایسا سمجھو کہ ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا، وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں، جب اس کا اخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہنا کرنا، لیکن ایک خوشبودار گھانس کا ایک حصہ جو میں چھوڑ کر جارہا ہوں وہ چاہے خشک ہوجائے اُس کو باہر نہ کرنا، جب پہاڑ کی چوٹی پر بہار آئی، تو پہاڑ و میدان سب سرسبز ہوگئے، بہت سی تازہ اور خوشبودار گھانس پیدا ہوگئی جو اس پرانی گھانس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں سے بہت سی گھانس اور پھول اس محل میں آئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو معطر کردیا اور ان کے سامنے اس پرانی سوکھی ہوئی گھانس کی خوشبو دب گئی، لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھانس اس محل میں اسلئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے معطر ہو، اب یہ سوکھی گھاس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھاس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اُس گھاس سے خالی ہوگیا ایک کالے سانپ نے سوراخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اُس کا کام تمام ہوگیا، سبب اس کا یہ تھا کہ اس گھاس کے دو فائدے تھے :۔ ایک یہ کہ وہ خوشبو دے، اور دوسرے اس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے سانپ اسکے قریب نہیں جاسکتا، گویا وہ سانپ کا تریاق تھی یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی، لڑکے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا وہ سمجھا کہ جو اس کے

معلومات کے دائرہ میں نہ ہو گویا کہ قدرتِ خداوندی کے خزانہ میں موجود نہیں ہے
اس کو اس آیت کا مفہوم نہیں معلوم تھا: "وما اوتیتم من العلم
الا قلیلا" وہ اپنی ذہانت کے غرہ میں مارا گیا ــــــــــــــــ

اسی طرح یہ صاحبِ کشف وکرامت گروہ اس مغالطہ کا شکار ہوا کہ شریعت کا
جو راز ہم پر منکشف ہو گیا اور اس کی جتنی حکمت انھوں نے سمجھی، اس کے علاوہ
نہ کوئی راز ہے اور نہ کوئی حکمت، حالانکہ یہ ایک بڑی زبردست غلطی ہے، جو
اس راہ کے سالکین کو کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بہت سے لوگ اس کا شکار ہو کر
ہلاک ہو چکے ہیں، ان لوگوں نے راہِ شریعت کا ایک ہی مقصود سمجھا، اور یہ نہیں
سمجھے کہ اس میں دوسرے اسرار بھی ہیں، انھوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اگر
دوسری حکمتیں نہ ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی نمازوں کی کیا ضرورت
تھی جس سے پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اُمت پر
واجب ہے پیغمبر پر نہیں[1]

علماء اور مشائخ کاملین کا اسوہ: ــــ

وہ علماء و مشائخ و صوفی جو درجۂ کمال پر پہنچے، انھوں نے سمجھا کہ شریعت کی
پابندیوں میں ہر پابندی ایک راز ہے جس سے آخرت کی سعادت مربوط اور
وابستہ ہے یہاں تک کہ ان بزرگوں نے اپنے دمِ واپسیں تک آدابِ شریعت

---

[1] مکتوب ہفتدہم ـ ۱۲

میں سے ایک ادب بھی ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خادم انتقال کے وقت وضو کرا رہا تھا وہ داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنّت بجالائے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسے وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں، فرمایا: "ہم خدا تک اسی کی برکت سے پہونچے ہیں" اہلِ کمال کا یہی شعار تھا اور فریب خوردہ لوگ جلدی دھوکہ میں آجاتے ہیں، جس چیز کو وہ نہیں دیکھ سکے اور جو چیز اُن کی سمجھ میں نہیں آئی وہ سمجھے اس کا وجود نہیں، فجر کی نماز دو رکعت ہے ظہر کی نماز چار رکعتیں، عصر کی نماز چار رکعتیں، مغرب کی تین، عشاء کی چار، پھر ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے ہیں، ان سب میں ایک سر اور خاصیت ہے جن کا حصولِ کمال میں خاص دخل ہے، اور انتقال کے وقت تک اُن کی پابندی کرنے کا اثر ظاہر ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی کمال مفید نہیں، اگر سالک ان کو چھوڑ دے گا اور دنیا سے چلا جائے گا اپنے کو تباہ دیکھے گا اُس وقت کہے گا کہ وہ میرا کمال کیا ہوا؟ جواب دیا جائے گا کہ کمال کہے تھے، بس کھیلیں نہیں تھیں، مرنے کے وقت وہ جڑ سے اکھڑ گیا، جیسے کہ ابلیس کے تمام کمالات ایک نافرمانی کی وجہ سے خاک میں مل گئے۔[1]

حضرت شیخ شرف الدین اس بارہ میں اتنے راسخ الاعتقاد اور متشدد تھے کہ ایک مکتوب میں اس عقیدہ کی (کہ شریعت کی پابندی خاص حالات و مقامات پر ضروری نہیں) تردید کرتے ہوئے

---

[1] مکتوب ہشردہم ۱۲

فرماتے ہیں :۔

"و ایں غلط است و مذہب ملحدان آنست کہ گویند یکے بے دیگرے روا باشد و گویند چوں حال حقیقت کشف گشت شریعت برخیزد و لعنت بریں اعتقاد باد و بریں مذہب[1]"	یہ غلط ہے اور ملحدین کا مذہب ہے جو کہتے ہیں، ایک دوسرے کے بغیر روا ہے، اور کہتے ہیں جب حقیقت تک رسائی ہو گئی اور کشف و شہود حاصل ہو گیا تو شریعت کا حکم اُٹھ گیا، لعنت ہے اس عقیدہ اور اس مذہب پر

شریعت کی شرط

وہ تمام محققین صوفیہ کی طرح شدت کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ سلوک و طریقت شریعت کی پیروی اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

"جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہیں ہو گا اُس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہو گئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر، ظاہر بے باطن نفاق ہے، اور باطن بے ظاہر زندقہ ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس، ظاہر ہمیشہ باطن کے ساتھ پیوستہ ہے، ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوستہ ہے کہ کوئی شخص اس کو علیحدہ نہیں کر سکتا[2]"

---

[1] مکتوب بست و ششم ۱۲۰

[2] مکتوب بست و ششم (۲۶) ۵۰

اتباع محمدیؐ سے چارہ نہیں

حضرت مخدومؒ مکتوبات میں بڑے جوش و خروش اور بڑے وثوق و یقین کیساتھ اس بات کی تبلیغ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں آپ کی پیروی کے بغیر نہ نجات ممکن ہے نہ حقیقت تک رسائی، نہ کمالات و سعادتِ اخروی کا حصول۔ ایک مکتوب میں قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کی تلقین و تفسیر کرتے ہوئے کسی پیشرو شاعر عارف کے یہ اشعار جو خود اُن کے دلی جذبات و کیفیات کے ترجمان ہیں نقل کرتے ہیں۔ سہ

او دلیل تو بس تو رہ جوئی ٭ او زبان تو بس تو یاوہ گوئی
ہر چہ او گفت زراز مطلق داں ٭ ہر چہ او کرد، کردۂ حق داں
خاک او باش بادشاہی کن ٭ آن او باش ہر چہ خواہی کن
ہر کہ چوں خاک نیست بر در او ٭ گر فرشتہ است خاک بر سر او[1]

---

[1] مکتوب پانزدہم۔"

سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور اُسکے بعض مرکز

حضرت مخدوم الملک کے بعد سلسلۂ فردوسیہ نے کیا ترقی کی اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقہ سے نظر سے نہیں گزری۔ آپ کے بعد مولانا مظفر بلخی (مدفون عدن) جانشین بنے اور بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا ——— اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال منیریؒ ابن عم مخدوم الملک نے شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار) میں خانقاہ قائم کی، آپ کے خاندان کے افراد سے ابتک یہ سلسلہ وہاں قائم ہے۔ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب 'بزرگانِ فردوسیہ کے حالات میں "مناقب الاصفیاء" ہے، جو طبع ہو چکی ہے، اور اس کتاب میں اس سے خاص مدد لی گئی ہے ——— مخدوم الملک کے بعد منیر میں سلسلۂ فردوسیہ نے ترقی کی جن میں آپ کے خاندان کے مخدوم شاہ دولت منیری متوفی ۱۰۱۸ھ مشہور بزرگ گزرے، آپ کے ایک مرید و خلیفہ امان اللہ صدیقی عاصی سندیلہ یو۔پی سے سلسلہ جاری ہوا ——— تقریباً دسویں صدی میں ستھوا ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلے کی ایک خانقاہ قائم ہوئی اور اب تک سلسلہ جاری ہے۔ صوبۂ بہار میں کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے، اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے مخدوم الملکؒ کی ذات سے ہے ——— محلہ مشمار بٹنگل "میسور اسٹیٹ" میں بھی اس سلسلہ کی خانقاہ ہے۔[1]

حضرت مخدوم صاحبؒ کے بعض دوہے اور ہندی فقرے :—

بہار اور اس کے اطراف میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے بہت سے دوہے اور ہندی فقرے زبان زد عوام ہیں ——— جیسے :—

---

[1] افادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی ۱۲۔

شرفا بھٹکا من پھرے او رچیت مت کیجے اداس ⁂ سائیں بسے سر میں کہ جیوں پھولن میں باس

شرفا گور ڈراؤنی اور نس اندھیاری رات ⁂ واں نہ کوئی پوچھے کہ کون تو ہاری ذات

جہ کُتّا دَر دَر پھرے، دَردَر دُر دُر ہوے ⁂ ایک در کو تھام لے، کہے نہ دُر دُر کوئے[1]

مولانا سید سلیمان ندویؒ "نقوش سلیمانی" میں لکھتے ہیں :—

حضرت شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے بہت سے ہندی دوہے ہیں، جن میں بعض بیماریوں کی مجرب دوائیں بتائی گئی ہیں۔ مثلاً ؎

لودھ پھٹکری مردا سنگ ⁂ ہلدی زیرا ایک ایک ٹنگ

افیون چنا بھر، مرچیں چار ⁂ ارد بھر تھوتھا اس میں ڈار

پوست کے پانی پوٹلی کرے ⁂ نینا پیرا پل میں ہرے

ہمارے وطن (دیسنہ ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ اصلاح میں ایک فالنامہ کے دو صفحے پرانے کاغذ کے ہیں، جن میں اسی زبان میں مختلف اعداد کے جوابات بتائے گئے ہیں، اور اسکے سرنامہ پر اس فالنامہ کی نسبت حضرت مخدوم صاحبؒ کی طرف کی گئی ہے، اس میں کل ستائیس فقرے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں :—

۱۱۱ — جو من کی منسی کیا ہوئی سو ہوئی۔

۱۱۲ — ناہیں کچھ کر و نصیب لاگی بات ہے۔

۱۲۱ — ابہیں ابھیں ناہیں۔

۲۱۱ — ابھیں ناہیں، سوت رہو جائے۔

۲۲۱ — راج پاٹ اچل کے دیا تمکوں۔

۲۲۲ — ابھیں ناہیں آگو ہو یگا۔

۲۱۱ — تورے دن کے اب سکھ سوجھا ناہیں[2]۔

---

[1] افادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی۔ ۱۲

[2] "نقوش سلیمانی" از مولانا سید سلیمان ندوی ص۲۸ و ص۲۹۔

اشاریہ
(انڈکس)

مرتبہ

شاہ محمد شبیر عطا ندوی

اعلام

الف

(ب)

کتابیات

مقامات و عمارات

مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے

سلسلے

مطابع

سکے اور بانٹ

ساز